ولایت فقیہ پر اجمالی نظر

آیۃ اللہ مصباح یزدی

مترجم : سید وصی حیدر رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

فہرست مطالب

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے ،کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے، حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ ونکھار پیدا کرلیتی ہیں،تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور، عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و موسس سرورکائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا،آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہبِ عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگرچہ رسول اسلام ﷺ کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیتؑ اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردئی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیتؑ نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور

دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیتؑ کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں،یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھاکر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائیگا ۔

(عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں، خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوّتو رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے ۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب ("نگاهی گذرا بر نظریہ ولایت فقیہ")، مکتب اہل بیتؑ کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک

کڑی ہے، جو آیۃ اللہ محمد تقی مصباح یزدی کی تقاریر ،مقالات اور کتابوں کا مجموعہ ہے جسے فاضل علاّم محمد مھدی نادری قمی نے ترتیب دیا ہے جس کو جناب مولانا ''سید وصی حیدر رضوی '' نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولی کا باعث قرار پائے۔

معاون امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

پیش لفظ

غیبت امام زمانہ (عج) میں اسلامی حکومت کے لئے نظریہ ولایت فقیہ ایک بنیادی بحث ہے ،یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس کو بیسویں صدی ہجری کے اواخر میں حضرت آیۃاللہ امام خمینیؒ نے عملی جامہ پہنا کر اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی دنیا کی سامراجی طاقتوں کی شدت سے مخالفت کے باوجود آپ نے ثابت کردیا کہ اسلامی حکومت انسانوں کے سیاسی، سماجی اور اخلاقی تمام مشکلات کو حل کر سکتی ہے ۔حالانکہ سولہویں صدی عیسوی کے اواخر میں، مغربی دنیا میں سیاست کو دین سے علیحدہ کرنے کی شدت سے ترویج ہوئی تھی، انھوں نے قبول کرلیا تھا کہ دین، انسان کے سماجی اور سیاسی مشکلات کو بر طرف کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے ،یہاں تک کہ پادریوں نے بھی اس باطل اور بے اساس دعویٰ کو قبول کرلیا تھا ۔

لیکن ایک مسلمان عالم جو کہ مرجع وقت بھی تھا اس نے دنیا والوں کے سامنے یہ ثابت کردیا کہ دین سیاست سے جدا نہیں ہے بلکہ دین ہے جس کی حکومت کے سایہ میں انسانوں کو سکون کی زندگی حاصل ہو سکتی ہے اور مذہب اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں راہنمائی کر سکتا ہے ۔جب امام خمینیؒ نے ایسی حکومت تشکیل دی جو اسلامی اصولوں پر مشتمل تھی تو اس وقت دوست اور دشمن سب تعجب میں پڑگئے ،انھوں نے یہ نعرہ بلند کیا کہ اسلامی احکام پر عمل ہونے کے لئے اسلامی حکومت کا ہونا ضروری ہے ۔

انھوں نے علمی اور عملی میدان میں ثابت کردکھایا کہ حکومت جمہوری اسلامی جس کا محور و مرکز ولایت فقیہ ہے ،ایک خالص دینی حکومت ہے ،اور اس وقت دنیا میں جتنی بھی حکومتیں پائی جاتی ہیں ان سب سے الگ ہے ،حالانکہ مخالفوں کا دعویٰ تھا کہ ایسی اسلامی حکومت باقی نہیں رہ سکتی ہے ،پھر بھی آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ حکومت عظمت کے ساتھ سر بلند ہے اور اسلامی سماج کو راہ ہدایت کی طرف راہنمائی کررہی ہے ۔آج جب کہ اس اسلامی حکومت کہ جو واقعاً اسلامی حکومت ہے اور جس کا پایہ و اساس ولایت

فقیہ ہے، اس کے وجود میں آئے ہوئے بیس سال گزر چکے ہیں، آج جب کہ ہمارے ملک کے دشمنوں نے یہ محسوس کرلیا ہے کہ اس حکومت کی عظمت و سربلندی کا سبب دین اسلام اور ولایت فقیہ ہے، لہٰذا انھوں نے مختلف حیلے استعمال کرنا شروع کردئے ہیں تا کہ عوام کے مذہبی عقائد اور ولایت فقیہ کو کمزور کردیں اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنوں میں سے بھی جانتے ہوئے یا انجانے میں، ان کی قلم وزبان سے مدد کررہے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارے اس سماج میں ولایت فقیہ عمود خیمہ کی طرح ہے اس کی حفاظت اور اس کو محفوظ رکھنا ہمارا فرض ہے اور یہی سبب بنے گا کہ اسلام کو مزید حیات اور رونق حاصل ہو ۔لہٰذا ہم نے کوشش کی ہے کہ اس نظریہ کی وضاحت کی جائے اور علمی و منطقی طریقہ سے اس کا دفاع کرکے عام مسلمانوں کی فکروں کو منور کیا جائے، خاص کر جوانوں کے لئے، اس لئے کہ ممکن ہے اس کے بارے میں انھیں کم اطلاع ہو ، اور اس قلمی کاوش سے اپنے اس چھوٹے سے الٰہی وظیفہ کو ادا کرسکوں ، اس کتابچہ میں ہم نے کوشش کی ہے کہ بحثوں کو علمی اور مختصر طریقہ سے بیان کریں اور پیچیدہ بحثوں کو بیان نہیں کیا ہے تا کہ وہ لوگ بھی ،کہ جو دینی علوم کی اصطلاحوں سے واقفیت نہیں رکھتے ہیں، استفادہ کرسکیں اور سعی کی ہے کہ بحث کو آسان اور روان طریقہ سے ذکر کریں اور پیچیدہ مطالب کو ذکرکرنے سے پرہیز کیا ہے ہمارا یہ مقصد بھی نہیں ہے کہ ولایت فقیہ کی بحث کے تمام جوانب کو بیان کریں بلکہ صرف انھیں مباحث کو ذکر کیا ہے جو ہماری نظر میں اہم تھے، صاحبان مطالعہ کے حوصلوں اور ان کے قیمتی وقت کا لحاظ کرتے ہوئے بحث کو مختصر ذکر کیا ہے تا کہ اہل مطالعہ حضرات استفادہ کرسکیں ۔

آخر میں یہ بھی بیان کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اس کتاب کو آیۃ اللہ مصباح یزدی کی تقریروں ، مقالے ، کتابوں اور سوال و جواب کے جو جلسے ہوئے، ان سب سے استفادہ کرکے تحقیق کے ساتھ تالیف کی ہے ،چونکہ یہ کتاب بہت ہی مختصر ہے لہٰذا جو حضرات تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں آیۃ اللہ مصباح یزدی کی ان دوکتابوں کا مطالعہ فرمائیں ۔

محمد مھدی نادری ۱۳۷۸ھ ش

پہلی فصل

بحث ولایت فقیہ کی اہمیت و ضرورت

ہماری یہ اسلامی حکومت کہ جس کے وجود میں آئے ہوئے بیس سال گزر چکے ہیں یہ ہزاروں انسانوں کے شریف خون اور ان کی فدا کاریوں سے حاصل ہوئی ہے جس کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ واقعاً یہ اسلامی حکومت ہے، اس کے وجود میں آنے کا سبب عوام تھے، لیکن ان سب کا محور دین اسلام سے عشق تھا ، لہٰذا اس کی بقاء اسی وقت ممکن ہے جب عوام کے اندر مذہبی بیداری پائی جائے ۔ایک سماجی اور سیاسی حکومت اسی وقت اسلامی ہو سکتی ہے جب اس میں ان دو ابعاد پر عمل ہو قانون اور اس پر عمل، اسلامی طریقہ سے نافذ ہو اور یہ صرف اسی وقت باقی رہ سکتی ہے جب اس حکومت کی عوام،اسلامی عقائد پر اعتقاد رکھتی ہو اور اس پر عمل بھی کریں ۔

اگر خدا نخواستہ اس معاشرہ کے لوگ زمانہ گزرنے کے ساتھ اسلامی عقائد کو بھلادیں یا اس سے منحرف ہو جائیں یا اسلام کے بنیادی اصولوں کو بھول جائیں اور دین سے منحرف ہوجائیں تو ایسی صورت میں اسلامی حکومت کے ستون کمزور پڑ جائیں گے اور اس کی بقا کی کوئی ضمانت نہیں رہ جائے گی ۔البتہ یہ ممکن ہے اسلام کے نام پر حکومت باقی بھی رہ جائے، لیکن یہ حقیقت میں اسلامی حکومت نہیں ہوگی ۔یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس کو صدر اسلام میں اسلامی معاشرے نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے،یعنی ابھی پیغمبر ﷺ کی رحلت کے کچھ زمانے بھی نہیں گزرے تھے کہ اسلامی حکومت کو بادشاہت اور ظالم حکومت کی صورت ،یعنی اموی اور عباسی حکومت کی صورت میں بدل دیاگیا ،یہ ظاہراً اسلامی حکومتیں تھیں، لیکن حقیقت میں لوگوں نے اسلامی عقائد اور اسلامی اقدار کو بھلا دیا تھا، جس سے اسلام کو بہت زیادہ نقصان پہونچا ۔یہ تلخ تجربہ ہمارے لئے بھی عبرت کا سبب ہے ۔چودہ صدیاں گزرنے کے بعد پھر سے ایک انقلاب آیا کہ جس نے پیغمبروں کے انقلاب کو اپنا سر مشق بنایا اور اس انقلاب کے نتیجے میں ایک جدید اجتماعی اور سیاسی

حکومت کہ جس کی اساس و محوراسلامی احکام و قوانین تھے، وجود میں آئی ۔ لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہئیے کہ جس طرح پیغمبر اکرمؐ کا لایا ہوا انقلاب آفتوں سے محفوظ نہیں رہا اور کچھ زمانہ گزانے کے بعد اسلامی معاشرے کے لوگ منحرف ہوگئے، یہ انقلاب بھی محفوظ نہیں رہ سکتا، مگر یہ کہ ہم تاریخ سے عبرت حاصل کریں، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس حکومت کی بقاء کے لئے کوشش کرتے رہیں، ان کا اسلامی عقائد اور اسلامی اقدار سے اتنا عشق ہونا چاہئے کہ وہ دشمن کے ہر طرح کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی جان و مال کی پرواہ نہ کریں تاکہ یہ مقدس اسلامی حکومت محفوظ رہ سکے ۔

ممکن ہے کوئی سوال کرے کہ یہ انحراف کہاں سے شروع ہوسکتا ہے،اس کا جواب یہ ہے یہ انحراف اس وقت شروع ہوتا ہے جب لوگ اسلامی عقائد اور اصولوں سے غافل ہو جاتے ہیں ،جس کے نتیجے میں اسلامی عقائد اور اصولوں کا علم کم ہوجاتا ہے ،اس وقت شیطانی طاقتیں اپنے کام میں مصروف ہوجاتی ہیں اور معارف اسلامی کی جگہ باطل عقائد کو اسلامی عقائد کی شکل میں ڈھال کر تبلیغات کرنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کو ان کے عقیدوں سے منحرف کر دیتے ہیں، لہٰذا جو لوگ اس انقلاب سے محبت رکھتے ہیں اور ان کو فکر ہے کہ کہیں یہ آفتوں کا شکار نہ ہو جائے، ان کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کریں ۔اور جو کوئی آفت اعتقادی اور فکری انحراف کا سبب ہو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں ۔

ان آفات کا مقابلہ کرنے کا صحیح راستہ یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو غلط افکار پیدا کرنے سے روک دیا جائے، اس لئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ ذہنوں کو خرافاتی عقائد سے روکا جا سکے،چونکہ عقائد کو خراب کرنے کے لئے دشمن خرافاتی عقائدبیان کرتے رہتے ہیں ،جس کے نتیجے میں عوام کے ذہنوں میں غلط فکریں آجاتی ہیں، فکری اور اعتقادی آفات کا مقابلہ کرنے کا صحیح راستہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین کی بنیادی فکر اور اسلام کے عقائد کے بارے میں معلومات کو تقویت دی جائے، تا کہ خرافاتی عقائد ان پر اثر اندازنہ ہوسکیں، دین اور عقائد کو اتنی تقویت دینی چاہئے کہ شبہات کی وجہ سے عوام منحرف نہ ہونے پائیں بلکہ عوام کو اتنا مضبوط کیا جانا چاہئے کہ شبہات کا جواب بھی دے سکیں ،اسی سلسلہ میں ایک اہم مسلہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں اسلامی حکومت کے جواز کے بارے میں بیان کیا

جائے اور اس مسئلہ کو حل کیا جائے ہمارا انقلاب ایک اسلامی حکومت کے لئے تھا، لیکن عوام کے ذہن میں جو اس کا تصور تھا وہ کلی اور مبہم تھا، حالانکہ ظالم بادشاہ کی حکومت کا تختہ پلٹنے کے لئے اتنا ہی کافی تھا، لیکن اس حکومت کی حفاظت کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کا مطلب کیا ہے اور اس کی گہرائی تک عوام کو معلومات فراہم کرنا چاہیئے تاکہ اس حکومت کی ضرورت کو سمجھیں، اور مخالفین کے نظریات کے مقابلے میں اپنے عقائد و افکار کا دفاع کریں، اور صرف نعرہ بازی پر اکتفا نہ کریں

۔

ولایت فقیہ کی بحث کا علمی مقام

اگر ہم اسلامی حکومت کو قبول کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمارا سماج اسلام کے بتائے ہوئے راستوں پر عمل کرے، تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ ایک ایسی حکومت ہو جو اسلام کے بتائے ہوئے احکام پر استوار ہو۔ ہماری اس اسلامی حکومت کے اساسی ترین قوانین میں سے ولایت فقیہ کا نظریہ ہے، ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اس حکومت کی اصل (شرعی حکومت) مضبوط رہے اور اس پر عمل کیا جائے۔ جو ہم کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت ہونا چاہیئے اس کے کیا معنی ہیں اس مقام پر ہم اس مطلب کی وضاحت کریں گے۔ حکومت کا دین کے اصول اور عقائد و افکار کے تحت ہونے کے لئے کم از کم دو جہت کا ہونا ضروری ہے، ا۔ قانون ۲۔ اس کو عمل میں لانا، تیسری جہت عنوان قضائی ہوسکتی ہے، لیکن یہ پہلی دو جہتوں کی طرح اصالت نہیں رکھتی ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے دو اصلی جہتیں ہیں (مقننہ ومجریہ) اور قضاوت ان کے ماتحت ہے، اس مقدمہ کے بعد ہم کہتے ہیں:

اولاً: جن قوانین کو حکومت معتبر مانتی ہے اور اس کا دفاع کرتی ہے وہ اسلامی ہونا چاہیئے۔

ثانیاً: جو لوگ ان قوانین کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری لیتے ہیں وہ لوگ بھی اسلامی اصول و ضوابط کے ساتھ اس حکومت کے عہدوں کو حاصل کریں، اس وقت حکومت کو اسلامی حکومت کہا جاسکتا ہے۔ ہم پھر تاکید کررہے ہیں کہ اسلامی حکومت ہونے کے لئے دونوں جہتوں کا ہونا ضروری ہے لہذا اگر قوانین، اسلام کے بتائے ہوئے راستوں سے الگ ہوجائیں اور غیر اسلامی قوانین پر

عمل ہونے لگے ، یا فرض کریں کہ تمام قوانین اسلام اور قرآن و شریعت کے مطابق ہوں، لیکن جن لوگوں نے اس حکومت کے عہدے حاصل کئے ہیں وہ لوگ اسلام کے بتائے ہوئے احکام و ضوابط کے مطابق ، اس عہدے کے لائق نہ ہوں بلکہ انھوں نے اسلام کے بتائے ہوئے طریقہ کے برخلاف اس منصب کو حاصل کرلیا ہو ،دونوں صورتوں میں ایسی حکومت کو اسلامی حکومت کہنا مشکل ہے ۔

لہٰذا علمی لحاظ سے بحث کے دو محور قرار پائے ہیں ،پہلا محور یہ ہے کہ قانون اور قانون کے بنانے والوں کا اسلامی لحاظ سے کیا معیار ہونا چاہیئے اور دوسرا محور یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں عہدہ پانے کے لئے اسلام کے کیا ضوابط و قوانین ہیں اور ان کو کس وقت اور کس طرح حکومت کا حق حاصل ہوتا ہے ،اور کس وجہ سے ان کو یہ اختیار ملے گا کہ وہ معاشرہ اورعوام پر حکومت کریں ۔ یہ دونوں بحثیں اسلام کے سیاسی فلسفہ کے موضوع میں بیان ہوتی ہیں ۔

اس کتاب میں جوموضوع ، مورد بحث ہے وہ موضوع دوم ہے اور موضوع اول کو انشاء اللہ کبھی اور بیان کریں گے ،ان مباحث میں دوجہت کا خاص خیال رکھا گیا ہے ،پہلا یہ کہ مطالب یقینی اور دلیلیں محکم ہوں، دوسرے یہ کہ یقینی مطالب کے ساتھ ساتھ کوشش یہ ہے کہ بحث کو آسان طریقہ سے بیان کیا جائے تا کہ عام مومنین استفادہ کرسکیں ،نہ یہ کہ صرف وہ حضرات استفادہ کرسکیں جو صاحبان علم ہوں ۔

نظریہ ولایت فقیہ کا مختصر خاکہ

نظریہ ولایت فقیہ اسلام کے سیاسی فلسفہ کا نظریہ ہے ، ہر نظریہ کے کچھ اصول و قوانین ہوتے ہیں جو اس کے ماننے والوں کی نظر میں معتبر ہوتے ہیں ۔ اس بحث کے اصول و قوانین کی تفصیلی بحث اور اس کو ثابت کرنے، نیز یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ فلسفہ سیاست کے تمام نظریات سے برتر ہے، مختلف بحثوں اور مستقل کتاب کی ضرورت ہے ۔لہٰذا اس کتاب میں ہمارا مد نظر نہیں ہے ۔

البتہ ان میں سے بعض بحثوں کو جو حکومت کی ضرورت سے مربوط ہیں، ہم نے اپنی کتاب (حقوق و سیاست در قرآن) میں بیان کیا ہے ۔ لیکن اس کتاب کی وسعت کے مطابق جہاں تک ممکن ہے ہم بیان کریں گے ۔

اصل اول حکومت کی ضرورت

نظریہ ولایت فقیہ کے لئے سب سے پہلی اصل جو کہ دوسرے سیاسی نظریات میں بھی معتبر ہے، وہ یہ ہے کہ ہر معاشرہ کے لئے حکومت کی ضرورت ہے، اس نظریے کا مخالف صرف (مکتب آنار شیسم) ہے، آنار شیت، معتقد ہیں کہ بشر اخلاقی اصول کے ذریعہ زندگی گزار سکتا ہے اور حکومت کی ضرورت نہیں ہے، یا وہ کم از کم اس بات کے معتقد ہیں کہ اگر حکومت ہو بھی تو اس کو ایسا کردار ادا کرنا چاہئیے کہ اخلاقی اعتبار سے انسانوں کی زندگیوں کو نظم دے سکے یعنی حکومت عوام کو ایسا تعلیم و تربیت دے کہ انھیں حکومت کی ضرورت نہ ہو ۔ لیکن تمام فلسفی مکاتب اس کو حقیقت کے خلاف مانتے ہیں اور عملی لحاظ سے بھی ہزاروں سال کے تجربے سے ہم کو معلوم ہے کہ انسانی معاشرے میں ایسے افراد ہمیشہ پائے جاتے ہیں جو اخلاقی قوانین کے پابند نہیں ہوتے اور اگر کوئی ایسی قدرت نہ ہو جو ان کو کنٹرول کرے تو پورے معاشرے کی زندگی درہم برہم ہو جائے گی ۔ بہر حال یہ ایسی اصل ہے کہ جس کو سبھی نے قبول کیا ہے، صرف آنار شیسم نے اس کو قبول نہیں کیا ۔ یہ اصل، نظریہ ولایت فقیہ میں ضروری اور مسلم قرار پائی ہے ۔

اصل دوم حکومت کسی خاص شخص یا گروہ کے ذریعہ سے شرعی جواز نہیں پا سکتی

حکومت کی سادہ الفاظ میں اس طرح تعریف کی جا سکتی ہے: حکومت ایسی قدرت ہے جو معاشرے پر برتری رکھتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ ان کو ایک خاص راستے کی طرف ہدایت کرے ۔ حکومت یہ کام دو طریقہ سے انجام دیتی ہے کبھی طاقت کا استعمال کرتی ہے اور کبھی طاقت کے استعمال کے بغیر معین راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے ۔ یعنی ایسے لوگ جو حکومت کے مد نظر اس راستے کے مخالف راستہ اختیار کرتے ہیں ان کو پولیس اور فوج کا سہارا لے کر قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور کرتی ہے ۔ یہ

تعریف، جیسا کہ اس کی وضاحت بعد میں ہوگی، شرعی اور غیر شرعی دونوں حکومتوں کو شامل ہے ۔ لہٰذا یہ دیکھنا ہوگا کہ جو حکومت شرعی جواز رکھتی ہے ؛ کیا کوئی شخص یا گروہ ذاتاً مشروعیت رکھتا ہے ؛ یا یہ کہ حکومت کا شرعی جواز کسی شخص کے لئے ذاتی نہیں ہے بلکہ ایسا امر ہے جو کسی اور کے ذریعہ اس کو عطا ہوتی ہے ۔ ایک فلسفی نظریہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس جسمانی طاقت ہو اور فکر و ذہن کے اعتبار سے دوسروں سے بہتر ہو ؛ یا حسب و نسب کے لحاظ سے اولیٰ ہو، ایسا شخص خود بخود اور ذاتاً حکومت کے لئے معین ہو جاتا ہے ۔

ایسے افکار بعض سیاست مداروں یا فلاسفۂ سیاست سے دیکھے اور سنے گئے ہیں ۔ لیکن نظریہ ولایت فقیہ اس نظریہ کے مخالف ہے، نظریہ ولایت فقیہ کا مبنیٰ واساس یہ ہے کہ حکومت کسی شخص یا انسان کا ذاتی حق نہیں ہے اور کسی کے لئے خود بخود معین نہیں ہوتی ہے، یعنی ایسا کسی کے لئے نہیں ہے کہ جب وہ پیدا ہو اس لئے حکومت کا حق ہو، حکومت کرنے کا حق میراثی نہیں ہے کہ ماں باپ سے منتقل ہوکر اس کو مل جائے ، بلکہ حکومت کا شرعی جواز خاص منبع و مرکز سے حاصل ہوتا ہے، اکثر فلاسفہ اور فلسفہ سیاست میں نظر رکھنے والوں نے اس نظریہ کو قبول کیا ہے، اور اس موضوع پر نظر رکھنے والوں کی کثیر تعداد ہے، ان میں جمہوریت کو قبول کرنے والے بھی شامل ہیں وہ بھی اس مسئلہ میں ہمارے موافق ہیں کہ حکومت کا شرعی جواز میراث میں ملنے والی نہیں ہے اور ذاتی طور پر کسی کے لئے معین نہیں ہے، بلکہ حکومت صرف اسی منبع و مرکز سے ہی حاصل ہو سکتی ہے جو ذاتی طور پر حکومت کا حق رکھتی ہو ۔ان دو اصول کو قبول کرنے کی وجہ سے فلسفہ سیاست کے کچھ نظریے ہماری بحث سے خارج ہوگئے ، ان میں سے ایک مکتب آنار شیسم ، اور وہ مکاتب ہیں جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ افراد یا خاص گروہ ذاتی طور پر حکومت کا شرعی جواز رکھتے ہیں ۔

اصل سوم حکومت کے شرعی جواز کا منبع و مرکز فقط خداوند عالم ہے

جب ہم نے دوسری اصل (حکومت کسی کا ذاتی حق نہیں ہے) کو قبول کر لیا پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا منبع و مرکز ہے جو حکومت کا شرعی جواز انسان کو عطا کر سکتا ہے ؛ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پر نظریہ ولایت فقیہ ، اور اسلام کا سیاسی فلسفہ دوسرے

مکاتب سے جدا ہوتا ہے اور یہ اصل نظریہ ولایت فقیہ اور اسلام کے سیاسی فلسفہ کی اساس وبنیاد ہے ۔اور تمام مسلمان اس کے موافق ہیں، شاید دوسرے آسمانی شریعتوں کو ماننے والے جو اسلام کو نہیں مانتے وہ بھی قبول کرتے ہوں ۔ اس بنیاد پر حاکمیت و حکومت امر و نہی کرنا یہ سب خداوند عالم کا ذاتی حق ہے اس نکتہ پر بھی توجہ لازم ہے کہ معاشرے میں حکومت کے امور کو سنبھالنا انسانوں سے مخصوص ہے لہٰذا حکومت ،اس خاص معنی میں خداوند عالم پر صدق نہیں کرتی ہے ۔بلکہ خدا وندعالم کی حکومت کا مطلب اس سے وسیع معنی مراد ہیں حکومت و حاکمیت خداوندعالم کا ذاتی حق ہے لہٰذا دنیا میں حاکم کا معین کرنا بھی خداوند عالم کے لئے ہی مخصوص ہے وہ خدا کہ جس نے تمام موجودات اور دنیا کو خلق کیا وہی تمام موجودات کا حقیقی مالک بھی ہے ۔ ''لِلّٰہِ مَا فِي السَّمٰوٰاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ[۱]'' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ خدا ہی کا ہے ۔

اس جگہ پر جو ہم نے لفظ مالک حقیقی استعمال کیا ہے وہ مالک اعتباری کے مقابلہ میں ہے ۔مالکیت اعتباری : یعنی کچھ لوگ آپس میں ایک قرار داد کو قبول کر لیتے ہیں اور اس کے مطابق اس شخص کو مالک کہا جاتا ہے،لہٰذا یہ قرار داد ممکن ہے ہر معاشرے میں فرق رکھتی ہو ،مثال کے طور پر کسی معاشرے میں یہ قرارداد کریں کہ جو کوئی بھی سونے کی کان کو کشف کرے گا سونا اسی کا ہوگا ، لیکن کسی معاشرے میں یہ کہیں کہ جتنی بھی سونے کی کانیں ہیں،سب عمومی ملکیت ہیں اور اس کی سرپرستی حکومت کے ذمہ ہے ۔ مالکیت حقیقی : ایک رابطہ تکوینی سے شروع ہوتی ہے کہ تمام موجودات جس کی ملکیت ہیں اور تمام موجودات اسی مالک کے وجود سے موجود ہوئی ہیں اس کو اصطلاح میں علت و معلول کا رابطہ کہا جاتا ہے ۔

یہ ایسی مالکیت ہے جو اعتباری نہیں بلکہ حقیقتاً او رتکویناً تمام موجودات اس کی ملکیت ہیں ،تمام موجودات کے وجود کا انحصار اسی کی ذات پر ہے ،اس طرز تفکر کی بنیاد پر تمام انسان خدا کی ملکیت ہیں اس لئے کہ اسی نے انسان کو خلق کیا ہے، صرف یہی نہیں کہ کوئی انسان کسی انسان پر کسی طرح کے تصرف کا حق نہیں رکھتا بلکہ ہر فرد خود اپنے اوپر بھی ہر طرح کے تصرف کا حق نہیں رکھتا ہے،

[۱] سورہ بقرہ ۲۸۴۔

اس لئے کہ خود وہ شخص کسی اور کی ملکیت میں ہے، اس نظریہ کی بنیاد پر کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں، کہ وہ اپنے بدن کے کسی عضو کو کاٹ ڈالے ،یا اپنی آنکھیں پھوڑلے یا خود کشی کرلے ،اس لئے کہ خود اس کا وجود اس کی ملکیت نہیں ہے ۔اس نظریہ کو سیاسی فلسفہ کے بہت سے مکاتب نیز دوسرے تمدن کے لوگ قبول نہیں کرتے ہیں ، لیکن کم سے کم یہ تو ثابت ہے کہ ہر انسان کو اپنے اوپر اختیار ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ حکومت کا لازمہ یہ ہے کہ عوام کے جان ومال اختیارات وحقوق میں تصرف کرے ،لہٰذا اسلام کے نظریہ کے مطابق انسان کو اپنے نفس پر جو اختیار خدا نے دیا ہے اس کے علاوہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر حکومت اور تصرف کا حق نہیں رکھتا ہے اس لئے کہ سب خدا کی ملکیت ہیں ۔

بہر حال یہ اسلامی تفکر کی اساس ہے کہ خدا کی اذن کے بغیر اس کے بندوں میں کسی طرح کا تصرف نہیں کیا جاسکتا ہے ۔اس اصل کو قبول کرنے کے بعد اسلام کا سیاسی فلسفہ دوسرے موجود مکاتب سے جدا ہوجاتا ہے نیز نظریہ ولایت فقیہ اور حکومت و سیاست کے دوسرے نظریات میں اساسی فرق ہوجاتا ہے ۔ اور یہی وہ مرحلہ ہے کہ جہاں سے ہمارا سیاسی نظریہ دوسرے سیاسی نظریات سے جدا ہوتا ہے جیسے کچھ نظریات کا کہنا ہے کہ حکومت کا شرعی جواز ہوشیار اور تیز لوگاں کے لئے ہے ،یا کچھ کا کہنا ہے کہ حکماء و فلاسفہ کو حکومت کا حق ہے، یا کچھ کا کہنا ہے کہ مال دار اور اشراف کو حکومت کا حق ہے، یا ان لوگوں کا حق ہے، جو جنگ میں جیت کر دوسرے پر غالب آجاتے ہیں ، یا ڈیموکریسی کا نظریہ وغیرہ اور یہ تمام نظریات اسلامی نظریہ کے بر خلاف دوسرا راستہ اختیار کر لیتے ہیں مثلاً ڈیموکریسی کے نظریہ کی اساس یہ ہے حکومت اصل میں عوام کا مال اور ان کا حق ہے اور عوام کا ووٹ ہے کہ اس شخص کی حکومت کو شرعی جواز عطا کرتا ہے اور قانونی اعتبار سے اس کو طاقت استعمال کرنے کا حق حاصل ہوجاتا ہے ۔

لیکن ہم نے تیسری اصل کی جو وضاحت کی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ڈیموکریسی کا نظریہ ،ولایت فقیہ کے نظریے کے موافق نہیں ہے اس لئے کہ اس اصل کے مطابق جس طرح انسان کے افراد کو ذاتاً اور اصالتاً حکومت کا حق حاصل نہیں ہے اسی طرح تمام انسان جمع ہوکر یا پورا معاشرہ اصالتاً اور ذاتاً ایسا حق نہیں رکھتے ہیں، اس لئے کہ انسان کا تمام وجود اور جو چیزیں وجود سے متعلق ہیں،

سب خدا کی حقیقی ملکیت ہیں، لہٰذا ان کا عمل مالک حقیقی کے امر و نہی کے مطابق ہونا چاہیئے اور انسانوں کو ذاتاً یہ حق حاصل نہیں، کہ وہ دوسروں پر حکومت کریں یا کسی کو حاکم بنائیں ۔

اصل سوم کے حاشیہ میں اسی کی ایک فرع کے عنوان سے اس مطلب کو بھی اضافہ کر سکتے ہیں کہ یہ بھی تمام مسلمانوں کے نزدیک قابل قبول ہے کہ خدا وند عالم نے اپنے اصیل اور ذاتی حاکمیت کے حق کو اس سے نیچے مرتبہ میں اپنے رسول محمد بن عبداللہ کو عطا کیا ہے اور آنحضرتؐ کی حکومت کو لوگوں کی جان و مال زندگی و اختیارات میں تصرف کو شرعی جواز عطاد کیا ہے ۔ بہرحال ہم پھر اس مطلب کی تاکید کر رہے ہیں کہ نظریہ ولایت فقیہ یا اسلامی حکومت اسکے صحیح معنی میں جو کہ اسلامی مفکرین (وہ تعبیر کہ جو امام خمینیؒ نے مرحوم آیۃ اللہ مطہری کے بارے میں بیان کی ہے) نے سمجھا اور بیان کیا ہے ڈیموکریسی کے نظریہ سے جدا ہے ہم کبھی بھی نظریہ ولایت فقیہ کو ڈیموکریسی پر تطبیق نہیں کر سکتے ہیں۔اور جنھوں نے یہ کوشش کی، یا کررہے ہیں کہ نظریہ ولایت کو ڈیموکریسی پر تطبیق کریں، چاہے وہ لوگ کہ جنھوں نے صدر اسلام میں رسول خداؐ کی وفات کے بعد ایسا کرنے کی کوشش کی اور کسی دوسرے کو حکومت کے لئے انتخاب کر لیا یا وہ لوگ کہ جو آج کے زمانے میں، مغربی تمدن سے دھوکہ کھاکر ولایت فقیہ کی ایسی تعبیر کر رہے ہیں یہ خدا ورسول کی صحیح نص کے خلاف ہے، ایسے لوگوں نے یا اسلام کو صحیح طریقہ سے نہیں سمجھا ،یا شخصی اور سیاسی اغراض کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں ،دین اسلام کے نظریہ کے مطابق،حکومت کا حق اور حاکم معین کرنا ذاتاً و اصالتاً خدا وند عالم سے مخصوص ہے اور صرف وہی ذات عالی صفات ہے کہ جو اس حق کو انسانوں میں سے کسی انسان کو تفویض کرسکتا ہے،اور اصل سوم کی بحث میں جو ہم نے بیان کیا اس کے مطابق یہ حق رسول اکرمؐ کو خدا وند عالم نے عطا کیا ہے ۔

اصل چہارم دین سیاست سے جدا نہیں

نظریہ ولایت فقیہ کا ایک پیش فرض یہ بھی ہے کہ دین سیاست سے جدا نہیں ہے یعنی ایسا ہرگز نہیں ہے کہ دین اسلام نے انسانوں کی صرف فردی زندگی کو بیان کیا ہو اور اجتماعی مناسبتیں جس میں سیاست و حکومت بھی شامل ہیں مد نظر نہ رکھا ہو اور اس پہلو کو خود

انسانوں کے ذمہ کردیا ہو تاکہ اپنی عقل سے مصلحت اور موافقت کے ذریعہ حاکم معین کریں ۔ نظریہ ولایت فقیہ کے مطابق : دین اسلام نے نہ صرف یہ کہ سیاسی احکام کو بیان کیا ہے بلکہ حکومت اور حاکم کو معین کرنے کے لئے بھی خاص نظریہ رکھتا ہے، یہ بات واضح ہے کہ اگر کوئی معتقد ہو کہ دین اور سیاست میں کوئی ربط نہیں ہے دینی امور کو انجام دینا علمائے دین اور فقہاء کا کام ہے اور سیاسی امور کا انجام دینا سیاست مداروں کا کام ہے، لہٰذا دین و سیاست بالکل ایک دوسرے سے جدا ہیں ایسا عقیدہ رکھنے والوں کے لئے ولایت فقیہ کے نظریہ کو پیش کرنے کی جگہ باقی نہیں رہ جاتی، اگر چہ اس کتاب میں ہمارا مقصد ان اصول کو ثابت کرنا یا ان بحثوں کو مفصل بیان کرنا نہیں ہے، لیکن چوتھی اصل چونکہ بہت اہمیت رکھتی ہے لہٰذا آئندہ فصل میں ہم اس پر مستقل اور مفصل بحث کریں گے ۔

دوسری فصل

دین اور سیاست میں ربط

سکولرزم

دین اور سیاست کے رابطہ کے عنوان سے بہت بحثیں ہوئی ہیں ۔خود ہمارے ملک میں اور دوسرے اسلامی ممالک میں اور مغربی دنیا میں بھی اس سلسلہ میں مختلف نظریہ پیش کئے گئے ہیں اگر ان نظریات کو جمع کرکے ان کے نتیجوں کو دیکھا جائے توایک طرف نظریہ جدائی دین از سیاست ہے اور دوسری طرف نظریہ (دین عین سیاست اور سیاست عین دینداری)ہے، البتہ ان نظریوں کے علاوہ درمیانی نظریہ بھی پایا جاتا ہے، اس کتاب میں ہمارا مقصد یہ نہیں کہ تمام نظریات پر نقد و بحث کریں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ نظریہ جدائی دین از سیاست کو مختصر طور پر ذکر کرکے نقد و بحث کرکے دین وسیاست کے درمیان رابطہ کو بیان کریں ،نظریہ جدائی دین از سیاست، آج کے زمانے میں سکو لرزم کے عنوان سے پیش کیا جاتاہے ،البتہ سکولرزم کے متعدد معانی بیان ہوئے ہیں، لیکن اس کتاب میں سکولرزم کو جدائی دین از سیاست کے معنی میں ہم نے استعمال کیا ہے ۔

جدائی دین از سیاست (سکولرزم) کا معنی یہ ہے کہ دین اور سیاست ایک دوسرے سے باالکل جدا ہیں اور ان میں سے کوئی ایک حق نہیں رکھتا ہے کہ دوسرے کے امور میں مداخلت کرے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ دین ا ورسیاست ایک دوسرے کے امور میں مداخلت کرنے کا حق نہیں رکھتے ہیں،جو لوگ علمی اصطلاحات سے واقف ہیں ان کے لئے واضح ہے کہ پہلا مقولہ جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ اس بات کو بیان کرتا ہے کہ کیا ہونا چاہیئے اور کیا نہیں ہونا چاہیئے ،اور دوسرا مقولہ مفہوم معرفت شناسی کو بیان کررہا ہے یعنی کیاہے اور کیا نہیں ہے ۔نظریہ (سکو لرزم) کے مطابق دین اور سیاست ایسے دو موازی خط ہیں جو کسی بھی صورت میں ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے ہیں ان دونوں کا راستہ ایک دوسرے سے باالکل جدا ہے اور یہ بے نہایت

راستے کبھی بھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے ہیں، اسی سلسلہ میں آگے جو ہم بیان کر رہے ہیں اس سے سکولرزم کا نظریہ اور بھی واضح و روشن ہوجائے گا ۔

سکولرزم کا ظہور

سکولرزم کی یہ کہانی قرون وسطی سے یورپ میں شروع ہوئی اسکی حقیقت معلوم کرنے کیلئے اس زمانے کے حالات کی تحقیق کرنا چاہیئے کہ جس وقت کلیسا یورپ کے لوگوں کی زندگی کے تمام جوانب پر مسلط تھا ،اس زمانے میں کلیسا مغربی روم اور مشرقی روم میں تقسیم ہوتا تھا، کلیسائے روم مشرقی کا مرکز اس زمانے میں قسطنطنیہ تھا جو آج کے زمانے میں ترکیہ ہے ۔ لیکن کلیسائے کا تولیک مغربی روم کا مرکز آج کے زمانے کا اٹلی تھا، اور وہاں پر پادریوں کی حکومت تھی وہ عجیب قدرت رکھتے تھے، یہاں تک کہ متعدد ممالک کے بادشاہ یہاں تک کہ اسپین کے بادشاہ بھی ان کے حکم کے مقابل سر تسلیم خم کرتے تھے ۔

پادریوں اور کلیسا کے اختیار میں تجارت، اور بڑے صنعتی کام نیز وقف اور زراعت کی زمینیں تھیں جس کی وجہ سے اقتصادی اور فوجی لحاظ سے بڑی طاقت شمار ہوتی تھی، اور عملاً یہ حالت ہوگئی تھی کہ اپنی حاکمیت اور اقتدار کو پورے یورپ پر تحمیل کررہے تھے اور بہت اطمینان کے ساتھ دوسرے ممالک کے بادشاہوں اور حکام کے مقابلہ میں صف آرائی کرتے اور ان سے جنگ کرتے تھے ۔ البتہ ان کی اس قدرت میں اتار چڑھاؤ پایا جاتا تھا اور کبھی کبھی ایک بادشاہ یا حاکم کی بغاوت کی وجہ سے ان کی قوت کمزور پڑجاتی تھی، لیکن بہر حال پادریوں کی حکومت ان تمام ان ممالک پر تھی کہ جہاں عیسائی رہتے تھے اور سلاطین کو ان کے تابع رہنا پڑتا تھا اور جہاں تک ممکن تھا اس پر عمل کرنے پر مجبور کرتے تھے ۔ یہ حاکمیت اور تسلط تمام جوانب پر تھا، فردی جوانب، احکام اور دینی و مذہبی مراسم کے ساتھ اجتماعی اور سیاسی، یہاں تک کہ مختلف علوم پر بھی ان کا تسلط تھا جن میں ریاضی، ادبیات اور نجوم وغیرہ سب شامل ہیں اس دور میں عقائد کی تفتیش و تحقیق کی عدالت نے جو کام انجام دئے (انگیزاسیوں) ان میں سے گالیلہ کو پھانسی کی سزا بھی شامل ہے خاص وعام کو معلوم ہے کہ اسکو صرف اس نظریہ کے جرم میں سزا دی گئی تھی کہ وہ قائل ہوگیا تھا کہ زمین سورج

کے گرد چکر لگاتی ہے جوان کے عقیدے کے خلاف تھا لہٰذا اس کو پھانسی کی سزا دے دی گئی ۔ان کے پاس اس زمانے میں ایسی قدرت تھی کہ جب کلیسا اور مسیحیت دینی علوم کے لحاظ سے مضبوط نہیں تھی ۔اور علمی میدان میں وہ سائنسدانوں اور فلاسفہ کے محتاج تھے اورچونکہ وہ علمی لحاظ سے مضبوط نہیں تھے طبیعی بات ہے کہ اتنی طویل و عریض حکومت علمی لحاظ سے ضعیف تھی لہٰذا تدریجاً اس میں فساد پیدا ہونے لگا اور یہ سبب بناکہ کلیسا اور پادریوں کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوں خود کلیسا میں سے کچھ لوگ جیسے مارٹن لوتھرکہ جس نے مسیحیت میں پروٹسٹنٹ فرقہ کی بنیاد ڈالی کلیسا کے تعلیمی نظام میں اصلاحات کا نعرہ بلند کرکے آگے بڑھا اور اسی کے ذیل میں سیاسی اور فرھنگی اصلاحات کا کام بھی شروع کردیا ،جس کے نتیجے میں پادریوں کے خلاف ایک بڑی جماعت کھڑی ہوگئی اور آخر کار وہ لوگ تجددگرائی کرنے پر مجبور ہوگئے ۔

اس تجددگرائی کا ایک نتیجہ جس کو عیسائی علماء اور مذہبی پشواؤں نے بھی قبول کیا یہ تھا کہ کلیسائے کیتھولک کا سماجی اور سیاسی امور میں مداخلت کرنا صحیح نہیں ہے ،لہٰذا یہ کہا جانے لگا کہ کلیسائے کیتھولک نے مسیحیت کو اس کے اصل راستہ سے منحرف کردیا ہے،اس لئے کہ اصل مسیحت وہ دین ہے جس کو سیاست اور حکومت سے کوئی ربط نہیں ، لہٰذا خدا سے انسان کے رابطہ کو کلیسا کی چھار دیواری تک محدود کردیا جائے ،انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس چند صدیوں میں یورپ میں جو مصیبتیں اور پریشانیاں اور عقب افتادگی وجود میں آئی ہیں اس کا سبب کلیسا اور اس کی تعالیم ہیں، لہٰذا ان کو میدان سے دور کردیا جائے ۔

کلیسا کی تعلیمات کا محور خدا کی عبادت آسمان او رملکوت تھا، لہٰذا انھوں نے ان تعالیم کے خلاف(جو ان کی نظر میں معاشرہ میں مصیبت اور معاشرہ کو ترقی سے روکنے والے تھے)دوسرے نعرے بلند کئے کہ وہ اس طرح سے تھے کہ ہم خدا کے بدلے انسان، بجای آسمان کے زمین، ملکوت کے عوض دنیاوی زندگی کو قرار دیں گے ۔اس طرح سے خدا ،آسمان اور ملکوت کی جگہ پر انسان ،زمین اوردنیاوی زندگی کو قرار دے دیا گیا ،اور دین کو دنیا وی زندگی کے مسائل سے باالکل الگ کردیا گیا اور یہ کہنے لگے کہ دنیاوی زندگی کے مسائل کو زمین پر حل کرلینا چاہیئے نہ یہ کہ خدا، ملکوت اور آسمان کی طرف رجوع کریں ۔ اس طرز تفکر کا نام سکولرزم رکھا گیا

یعنی جو کچھ ہے وہ اسی دنیا میں ہے اسی نظریہ کی بنیاد پر یہ کہا جانے لگا کہ اگر خدا اوردین ہے اور کوئی اس کا معتقد ہے تو وہ خود اور اس کا خدا جانتا ہے اور معاشرے کے کاموں سے اس کا کوئی رابطہ نہیں ہے، دین کی جگہ فقط کلیسا اور عبادت گاہ ہے اس جگہ جتنا چاہو عبادت ،توبہ ،اور گریہ کرو، لیکن جس وقت کلیسا سے باہر آؤ ،اور معاشرے میں داخل ہوکر زندگی کے امور انجام دینے لگو اس وقت دین کا کوئی کام انجام نہ دو،دین کے کچھ خاص حدود ہیں اور سیاست کے حدود الگ ہیں ۔

سیاست ،امور معاشرہ کی تدبیر کا نام ہے اور دین انسان اورخدا کے درمیان شخصی رابطہ کا نام ہے ،اس طریقہ سے یورپ اور عیسائیت میں دین اورسیاست کے درمیان کا رابطہ بالکل ختم ہوگیا اور دین و سیاست کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی گئی ایک طرف انفرادی مسائل اور دوسری طرف سماجی مسائل کو قرار دے دیا گیا ،البتہ تدریجاً انھوں نے اس سے بھی آگے قدم بڑھادیا اور کہنے لگے واقع میں دین ایک ذوقی اور سلیقہ ای مسئلہ شعر و شاعری کی طرح ہے، جس طرح ایک شاعر کہتا ہے:اے میرے چاند اے میرے سورج اے باد صبا میرا یہ پیغام میرے محبوب تک پہونچادے ،یہ سب چیزیں ذوقی ہیں اور عالم واقع میں نہ باد صبا کسی کا پیغام کسی تک پہونچاتی ہے اور نہ چاند و سورج اس کی آواز کو سنتے ہیں،بلکہ یہ سب اس کی روحی عاطفہ کی دین ہیں اسی طرح جس وقت کوئی شخص گوشہ میں بیٹھ کر گریہ وزاری کے ساتھ کہتا ہے اے میرے خدا! اے میرے پالنے والے! یہ باتیں بھی شاعر کے شعر کی طرح ہیں معلوم نہیں واقعاً خدا ہے یا نہیں ہے، شاعر کہتا ہے اے چودھویں کے چاند تم کتنے خوبصورت ہو لیکن اس زمانے میں علم نجوم کہتا ہے چاند ایک ٹھنڈا بے روح جسم اور ایک چٹیل میدان ہے جس میں کسی طرح کا حسن نہیں ہے، یہ شخص جو کہتا ہے اے میرے خدا تو کتنا اچھا ہے، وغیرہ یہ سب تخیلاتی احساسات ہیں کہ جو اس کی روح کو آرام دیتے ہیں مختصر یہ کہ وہ چیز جو واقعیت اور حقیقت رکھتی ہے، یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کام کرے ،پیسہ کمائے ،زندگی گزارے سیر و تفریح کرے ،اور حکومت تشکیل دے ،قانون بنائے، مجرموں اور فساد برپاکرنے والوں کو سزا دے ،اور ان کو جیل میں ڈال دے ،اور جنگ و صلح کرے وغیرہ یہ سب چیزیں دین سے مربوط نہیں ہیں ۔ یہ مطالب جو بیان ہوئے حقیقت میں فلسفہ پوازیٹیوزم (اثبات گرائی، عینی گرائی)

ہے، جو یورپ میں تجد دگرائی کے بعد پیدا ہوئے، وہ معتقد ہیں کہ جو کچھ ہم دیکھ یا چھو سکیں بس وہی چیزیں واقعیت اور حقیقیت رکھتی ہیں اور ہم کو چاہئے کہ انھیں کے بارے میں غور و فکر کریں اور اسی کے تحت پروگرام بنائیں، لیکن خدا و ملکوت کو چونکہ ہم نے دیکھا نہیں ہے اور تجربہ بھی نہیں کیا ہے، لہٰذا ان مسائل کو اہمیت نہیں دینا چاہئے، زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف ثقافتوں کے ملنے کی وجہ سے، کہ جس کا سبب روز بروز سائنسی ترقیات بھی تھیں، اسلامی ممالک اور مسلمان دانشوروں کے درمیان سکولرزم رواج پیدا کرتا چلا گیا اور مسلمان دانشوروں کے ذہن میں بھی یہ سوال آنے لگا کہ کیوں نہ اسلام بھی عیسائیت کسی طرح ہو ؟

اسلام بھی تو ایک دین ہے اور دین انسان اور خدا کے درمیان رابطہ کا نام ہے لہٰذا دین کا انسانی معاشرے میں کوئی دخل نہیں ہونا چاہتے ۔ انقلاب اسلامی جو دین اور اسلام کے نام پر وجود میں آیا اور کامیابی حاصل کی اس انقلاب کے بارے میں بھی اس طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں کہ ان میں بعض لوگ دین کا درد رکھنے کی وجہ سے اور بعض لوگ مکاری وفریب کاری کی وجہ سے یہ باتیں کہتے ہیں، کہ آپ نے جو دین و سیاست کو ملادیا ہے اور اپنی حکومت کی اساس دین کو قرار دے دیا ہے یہ حکومت بھی کلیسائے کا لوکیتھولک کی طرح شکست کھائے گی اس لئے کہ تجربہ شدہ کو تجربہ کرنا بہت بڑی غلطی ہے معاشرے میں جو مشکلات اور برائیاں ہیں ان کی وجہ سے دین پر الزام نہ لگے، لہٰذا دین کو حکومتی اموراور علمائے دین کو حکومتی منصب سے الگ ہونا چاہئے اور یہ کام جدائی دین از سیاست کے نظریہ کو قبول کئے بغیر میسر نہیں ہے ۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ دین محفوظ رہے قرآن و اسلام کا احترام و عزت اسی طرح باقی رہے، تو اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ دین کو سیاست سے جدا کر دیا جائے اور سیاست کو سیاستمداروں کے لئے چھوڑدیا جائے تاکہ علمائے دین کی قدر و منزلت باقی رہے اور یہ لوگ سیاسی امور میں دخالت کرکے کام خراب نہ کریں ۔ دین کے بارے میں جو آپ نے تفسیر بیان کی ہے اور اس کو سیاست کا حصہ قرار دیا ہے، وہ غلط ہے لہٰذا چاہیئے کہ دین کی نئی تفسیر کی جائے اور ایک مسلمان پر وٹسٹانزم اسلامی و مارٹین لوتھر کی ضرورت ہے ورنہ تمہارا دین، تمہارا اسلام صفحہ ہستی سے نیست ونابود ہوجائے گا ۔ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ سکولرزم کے

رجحان نے بعض اسلامی ممالک جیسے ترکیہ میں اتنا رسوخ پیدا کرلیا کہ انھوں نے لائیک حکومت کو قبول کرلیا اور آج وہاں پر ایک سرکاری مسلمان ملازم کو سرکاری دفتر میں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دین اوراسلام کا نام لے یا کوئی مذہبی نشانی اپنے ساتھ رکھ سکے یہاں تک کہ علمائے دین کو اپنا خاص لباس پہننے پر مجرم قرار دے دیا جارہا ہے اگر دیکھ لیں کہ ایک عالم دین اپنا لباس پہنے ہوئے ہے عمامہ یا عمامہ کی طرح رومال یا شال اگر اپنے سر پر رکھے ہوئے ہے اس کو پولیس گرفتار کرلیتی ہے ، یہ حال اس ملک کا ہے کہ ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا جوکہ بڑے اسلامی ملک کا مرکز خلافت یعنی حکومت عثمانی کا مرکز تھا اور ایشیاء کا ایک بڑا حصہ اور تقریباً آدھا یورپ اس اسلامی حکومت کے قبضہ قدرت میں تھا ۔

سکولرزم دینی نکتہ نظر سے ہٹ کر

بعض مؤلفین اور دانشوروں نے جدائی دین از سیاست کے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کی ہے کہ دین میں داخل ہونے سے پہلے دین سے خارج نکتہ نظر سے ہمارا سوال یہ ہے کہ بشر کو دین کی کیا ضرورت ہے اور کن مسائل میں دین کی ضرورت ہے ؟ اس سوال کے جواب میں انھوں نے دو جہت سے تصور کیا ہے ایک یہ کہ انسان زندگی کے تمام امور میں دین کا نیاز مند ہے اور چاہئے کہ تمام مسائل دین سے سیکھے کہ کس طرح کھانا کھائے ، کس طرح کپڑا سلے کس طرح لباس پہنے، کس طرح گھر بنائے ، کس طرح شادی کرے ، کس طرح معاشرے کو تشکیل دے وغیرہ ۔ مختصر یہ سمجھیں کہ دین انسان کے تمام امور کو حل کر سکتا ہے، اگر اس نظریہ کو قبول کریں اور اسی کو اساس قرار دیں تو اس صورت میں اگر انسان چاہے کہ لباس سلے تو اسے دیکھنا پڑے گا کہ دین کیا کہتا ہے ، اگر کھانا کھانا چاہیئے تو اسے دیکھنا ہوگا کہ دین کیا کہتا ہے، اگر ڈاکٹر کے پاس جانا ہو تو دیکھے کہ دین کیا کہتا ہے، اس صورت میں اگر حکومت تشکیل دینے کی ضرورت پڑی تو دیکھنا ہوگا کہ دین کیا کہتا ہے، لیکن سبھی جانتے ہیں اور واضح ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور کسی دین نے اس طرح کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میں انسانی تمام ضروریات کو پورا کروں گا مثلاً یہ کہ دین کہے کہ میں تم کو سکھاؤں گا کہ اس بلڈنگ یا چھت کو کیسے بنایا جائے اگر ایسا ہوتا تو کوئی شخص سائنسی تحقیقات کرنے نہ جاتا اور تمام انسان ان مسائل کو دین سے سیکھ

لیتے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ دین اور احکام کے ہونے کے باوجود بشر سائنسی تحقیقات اور علوم کے سیکھنے سے بے نیاز نہیں ہے اور دین، کمپیوٹر، ڈش، اٹیمی علوم، وغیرہ انسانوں کو تعلیم نہیں دیتا ہے لہذا یہ کہنا کہ دین انسانوں کے تمام جزئی مسائل کو حل کرسکتا ہے بالکل صحیح نہیں ہے بلکہ ہمیں دین سے اس کے حدود سے باہر توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ ہر سوال کا جواب دین سے طلب کریں ۔ پس جب ہم پہلے سوال کو قبول نہیں کر سکتے تو صرف ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ دین سے ہم کو صرف یہ توقع ہونی چاہیئے کہ حقیقت میں دین آخرت کے امور میں سے ہے اور انسانوں کی آخرت بنانے اور آباد کرنے کے لئے ہے اور دنیاوی زندگی سے دین کا کوئی ربط نہیں ہے دنیاوی امور میں دین نے انسان کو اس کے علم و عقل و تدبیر پر چھوڑدیا ہے اور وہ اصطلاح کہ جو اس مقام میں استعمال کی گئی ہے، یہ ہے کہ ہم کو دین سے صرف تھوڑی سی توقع رکھنی چاہیئے، لہذا دین صرف آخرت سے مربوط ہے، جیسے یہ مسائل کہ کس طرح نماز پڑھیں، کس طرح روزہ رکھیں، کس طرح حج کریں، بلکہ ایک جملے میں یوں کہا جائے کہ دین صرف یہ بتاتا ہے کہ آخرت میں ہم دوزخ میں جانے سے کیسے بچیں اور اہل بہشت میں سے ہوجائیں، لہذا دنیاوی امور میں علم و عقل کا سہارا لینا چاہیئے اور جو امور آخرت سے مربوط ہیں ان کو دین سے اخذ کرنا چاہیئے، سیاست دنیاوی امور سے متعلق ہے اور اساساً دین کے حدود سے خارج ہے، سیاست علم و عقل کی حاکمیت میں سے ہے اور دین کا دائرہ اس سے چھوٹا ہے، اس بنا پر معاشرتی علوم کے علماء اور سیاستدار ہیں کہ جن کو چاہیئے کہ سیاسی امور اور معاشرہ کے ادارہ کے لئے اپنا نظریہ پیش کریں، فقہا و علمائے دین کو چاہیئے کہ عوام کی آخرت کے امور کو حل کریں ان کو حق حاصل نہیں ہے کہ حکومت اور سیاست کی مسند پر بیٹھیں، لیکن اگر پھر بھی وہ لوگ حکومت کی مسند پر بیٹھنا چاہیں تو یہ کسی تھیوری و منطق کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے ۔ واضح ہے کہ یہ نظریہ سکولرزم او رجدائی دین از سیاست کے نظریہ سے (جو مغربی دنیا میں تجدد گرائی کے بعد وجود میں آئے) سے زیادہ ننگ و عار ہو ۔

دین اور سیاست کے رابطہ کی تحقیق

سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ ہم آپ کو متوجہ کردیں کہ اس بحث میں دین سے مراد اسلام ہے اور دوسرے ادیان ہماری مراد نہیں ہیں لہٰذا اصل سوال یہ ہے کہ دین اسلام کا سیاست سے کیا رابطہ ہے اس ضروری نکتہ کو بیان کرنے کے بعد لازم سمجھتا ہوں کہ دین اور سیاست کے رابطہ کی تحقیق کے لئے سب سے پہلے ان دو مفہوم کو سمجھ لیا جائے اور مشخص کر دیا جائے کہ دین اور سیاست سے ہماری کیا مراد ہے ۔

عرف عام میں سیاست ایک نا پسندیدہ امر ہے کہ جس میں منفی پہلو پائے جاتے ہیں جس میں دھوکہ دھڑی چالاکی اور فریب کاری شامل ہیں، لیکن اس بات پر توجہ ضروری ہے کہ سیاست سے ہماری مراد ایسی غلط سیاست نہیں ہے، بلکہ سیاست امور مملکت کا نظم و نسق بر قرار رکھنے کے طریقے کو کہتے ہیں، یا اس کی دقیق تعبیر اس طرح کی جاسکتی ہے کہ معاشرے میں نظم و نسق بر قرار رکھنے کے طریقہ کا نام سیاست ہے جس میں معاشرے کے مادی و معنوی مصالح ملحوظ رہیں، لہٰذا سیاست معاشرے کے نظم و نسق برقرار کرنے اور معاشرتی امور کی اصلاح کرنے سے مربوط ہوتی ہے ۔

اسی طرح دین سے ہماری مراد (اسلام) ہے کہ جس میں احکام، عقائد اور دوسرے مسائل شامل ہیں جن کو خدا وند عالم نے اپنے بندوں کی ہدایت اور دنیاو آخرت کی سعادت کے لئے معین کیا ہے کہ جو پیغمبر اکرمؐ و آئمہ اطہار علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں تک پہونچا اور ان مسائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے یا عقل کے قطعی حکم سے کشف ہوئے ہیں ۔ چنانچہ دین اور سیاست کا مفہوم واضح ہوچکا ہے اب اگر یہ جاننا چاہیں کہ کیا اسلام میں سیاسی امور بھی شامل ہیں، یا سیاسی او رمعاشرتی مسائل اسلام میں شامل نہیں ہیں؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خود اسلام کی طرف مراجعہ کریں ۔ جیسا کہ اگر ہم عیسائی نہ ہوں لیکن کسی موضوع میں عیسائیت کے نظریہ کو جاننا چاہیں تو بہترین راستہ یہی ہے کہ انجیل مقدس کی طرف رجوع کریں، اس بحث میں بھی یہ جاننے کیلئے کہ اسلام میں سیاست کا کیا مقام ہے قرآن مجید، معارف اور احکام دین کی طرف رجوع کریں گے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ

آیا اسلام نے سیاست اور معاشرتی امور کے نظم و نسق کے بارے میں کچھ بیان کیا ہے، یا صرف انفرادی مسائل کو بیان کیا ہے ؛اگر کوئی یہ کہے کہ حقیقی اسلام وہ نہیں ہے جو قرآن مجید نے پیش کیا ہے ۔ حقیقی اسلام وہ نہیں ہے جو پیغمبرؐ نے بیان کیا ہے، واقعی اسلام وہ نہیں جو آئمہ معصومین علیہم السلام نے بیان کیا ہے، بلکہ حقیقی اسلام وہ ہے جو میں کہتا ہوں،تو یہ واضح اور روشن ہے کہ یہ قول منطقی اور قابل قبول نہیں ہے ،اگر کوئی حقیقی اسلام ، جس کو مسلمان قبول کرتے ہیں اس کے بارے میں تحقیق کرنا چاہے، تو حقیقی اسلام وہی ہے جو قرآن مجید اور سنت پیغمبر اکرمؐ میں بیان ہوا ہے، نہ یہ کہ فلاں مستشرق یا یوروپین، یا امریکی نے کہا ہے، یا میں خود قرآن وسنت کے بر خلاف حقیقی اسلام کی تعریف کروں ۔ اگر میں کہوں کہ اسلام کو قبول کرتا ہوں، لیکن اس اسلام کو قبول نہیں کرتا، جو قرآن و سنت نے بتایا ہے، جو پیغمبر اکرم ﷺ نے بتایا ہے،تو واضح ہے کہ ایسی بات اسلام سے انکار کرنے کے مترادف ہے ، لہٰذا اسلام اور سیاست کے درمیان رابطہ کو معلوم کرنے کے لئے ہمیں قرآن مجید او ر سنت پیغمبرؐ و آئمہ معصومینؑ کی مدد لینی پڑے گی ۔

قرآن مجید کے نظریہ کو جاننے کے لئے جو اس مقام پر ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں ،اس کے لئے عربی الفاظ سے تھوڑی سی آشنائی بھی کافی ہے اور ضروری نہیں ہے کہ ہم ادبیات عرب یا تفسیر قرآن مجید سے بطور کامل آشنا ہوں، حتی یہ بھی لازم نہیں ہے کہ تفسیر قرآن مجید کا مختصر طور پر مطالعہ کئے ہوئے ہوں بلکہ اس مطلب کو سمجھنے کے لئے صرف عربی لغت سے تھوڑی سی آشنائی بھی کافی ہے ،جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جس طرح اسلام نے فردی عبادت اور اخلاق کے بارے میں مطالب کو بیان کیا ہے اسی طرح معاشرتی زندگی ، گھریلو روابط ، ازدواج ،طلاق ،معاملات ، تجارت ،تربیت اولاد، اولو الامر کی پیروی ، قرض ،رہن، جنگ و صلح ، شہریوں کے حقوق ، حقوق جزائی ، عالمی حقوق ،اور اس طرح کے دوسرے مسائل کے لئے قوانین معین کئے ہیں اور انھیں بیان کیا ہے ، قرآن مجید کی متعدد اور بہت ساری آیتیں انھیں امور کو بیان کرتی ہیں اور اس سے کئی گنا زیادہ مطالب پیغمبر اکرم ﷺ و آئمہ اطہارؑ سے منقول روایات میں موجود ہیں ان تمام مسائل کو دیکھتے ہوئے جو اسلام و قرآن مجید نے بیان کئے ہیں کیا

قبول کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے خود کو سیاست اور معاشرے کے نظم و نسق اور معاشرتی روابط سے جدا کر دیا ہے اور صرف عبادی اور شخصی اخلاق کو بیان کیا ہے اور صرف خدا اور بندہ کے درمیان رابطہ بر قرار کرنے پر اکتفا کی ہے ؟ جواب : اسلام نے صرف عبادی اور اخلاقی مسائل کو نہیں بیان کیا ہے بلکہ مشرتی روابط کو بھی نظر میں رکھا ہے جس کے چند نمونے ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت میں قرض کے لین دین کا ذکر ہے اور اس میں یہ تاکید ہے کہ (اگر کسی کو قرض کے عنوان سے پیسہ دو تو اس کی لکھا پڑھی کر لیا کرو اور دو شاہد کی موجودگی میں پیسہ دیا کرو اگر اتفاقاً ایسی جگہ پر ہو جہاں قلم و کاغذ نہیں ہے کہ لکھا پڑھی ہو اور کوئی شاہد بھی نہیں ہو ایسی صورت میں رہن لے لیا کرو یعنی یہ جو پیسہ آپ نے دیا ہے اس کے عوض میں ایک کوئی قیمتی شئے لے لو اور جس وقت وہ تمہارا پیسہ واپس کرے اس وقت اسے واپس دے دو[1]) جس دین نے قرض کے بارے میں یہ احکام بیان کئے ہیں کیا اس دین کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے معاشرے سے مربوط مسائل کو بیان نہیں کیا ہے ؟ازدواج اور طلاق بھی معاشرے سے مربوط مسائل میں سے ہیں قرآن مجید میں متعدد آیتیں ازدواج کی کیفیت اور احکام کے بارے میں ہیں[2] اسی طرح طلاق کی کیفیت اور اس کے احکام کا تذکرہ بھی ہے[3] مہر کے لین دین[4] جن افراد سے ازدواج جائز یا حرام ہے[5] ازدواجی زندگی کے روابط[6] گھریلو جھگڑوں کا حل کیا ہے وغیرہ ان سب مسائل کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے مثال کے طور پر گھریلو جھگڑوں کے راہ حل کے لئے خدا وند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے ۔ اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ میاں بیوی کے درمیان شدید نا اتفاقی ہو جائے گی ایسی صورت میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص اور زوجہ کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص آپس میں مصالحت کرائیں تو خدا ان دونوں کے درمیان اچھا بندوبست کر دے گا بیشک خدا وند عالم واقف اور خبر دار

[1] سورہ بقرہ آیۃ ۲۸۲۔
[2] بقرہ ۲۴۰۔
[3] بقرہ، ۲۳۰ ؛احزاب ،۴۹ ۔
[4] نساء، ۲۰۔
[5] نساء، ۲۳۔
[6] بقرہ ۔۲۲۲۔

ہے[1]۔اسی طرح میراث کا مسئلہ جو سماجی اور معاشرتی ہے اس کے بارے میں بھی قرآن مجید نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے (خدا وند عالم تمہاری اولاد کے حق میں تم سے وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے برابر ہے اور اگر میت کی اولاد میں صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یادو سے زیادہ) تو ان کا مقررہ حصہ کل ترکہ کی دو تہائی ہے اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو میراث کا آدھا حصہ اس کا حق ہے[2]) معاشرتی سماجی مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ممکن ہے داخلی جنگ یا آپس میں لڑائی جھگڑے کے سلسلہ میں قرآن مجید فرماتا ہے) :اگر مومنین میں سے دوفرقے آپس میں لڑپڑیں تو ان دونوں میں صلح کرادو پھر اگر ان میں سے ایک (فریق)دوسرے پر زیادتی کرے تو جو فرقہ زیادتی کرے تم بھی اسی سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے پھر جب رجوع کرے تو فریقین میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو بیشک خداوند عالم انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے[3]) کسب معاش وتجارت بھی سماجی اورمعاشرتی روابط میں سے ہے اسلام و قرآن مجید نے اس بارے میں بھی سکوت اختیار نہیں کیا ہے اور اس مسئلہ کو بھی عقل و علم اور معاشرے کے عرف عام پر نہیں چھوڑ دیا ہے ،بلکہ اس بارے میں بھی احکام موجود ہیں خدا وند عالم قرآن مجید میں فرماتاہے'' : حالانکہ خدانے بیع کو تو حلال اور سودکو حرام کردیاہے[4]'' ''اے ایمان دارو جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (نماز) کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو[5]'' ''اے ایمان دارو! اپنے اقراروں اور وعدوں کو پورا کرو[6]'' معاشرے میں جو جرائم ہوتے ہیں ان کے بارے میں بھی قرآن مجید میں متعدد احکام موجود ہیں ،کہ ان میں سے ایک چوری کا حکم ہے جو معاشرے میں اہم مسئلہ ہے اور یہ جرم زیادہ مقدار میں واقع ہوتا ہے ۔ ''اور جو چور خواہ مرد ہو یا عورت تم ان کے کر توت کی سزا میں ان کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالو[7]'' اسی طرح عفت کے خلاف، فحشا کے ارتکاب کرنے والوں کے بارے میں اگر چہ کوئی شاکی بھی نہ ہو، لیکن پھر بھی اگر حاکم شرع یا اسلامی حکومت کے

---

[1] نساء ،۳۵۔
[2] نساء ۱۱۔
[3] حجرات ۹۔
[4] بقرہ،۲۷۵۔
[5] جمعہ۔۱۰
[6] مائدہ،۱۔
[7] مائدہ ،۳۸ ۔

قاضی کے سامنے ثابت ہوجائے کہ یہ جرم واقع ہوا ہے قرآن اور اسلام کی نظر میں جرم سمجھا جائے گا اور مجرم کو سزا دی جائے گی، معاشرے میں امن وامان بر قرار رکھنے، اور عفت و پاکدامنی کے تحفظ کے لئے اسلام میں بہت سی سزائیں رکھی گئی ہیں، قرآن کریم اس بارے میں صراحت کے ساتھ فرماتا ہے '' : اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِی فَاجْلِدُوا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا مِاءَۃَ جَلْدَۃٍ وَلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ وَ لْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَاءِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ[1]'' ''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مردان دونوں میں سے ہر ایک کو سوکوڑے مارو اور حکم خدا کے نافذ کرنے میں تم کو ان کے بارے میں کسی طرح کا لحاظ نہ ہونے پائے اور اگر تم خدا و روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو ان دونوں کی سزا کے وقت مؤمنین کی ایک جماعت کو موجود رہنا چاہیئے تا کہ ان کی سزا پر گواہ رہیں '' قرآن مجید میں سماج اور معاشرتی مدیریت اور روابط کے بارے میں دسیوں آیتیں موجود ہیں کہ ان میں سے نمونے کے طور پر مختصر ہم نے بیان کیا ہے ۔

اور آیتوں سے کہیں زیادہ وہ روایات موجود ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آئمہ معصومین علیہم السلام نے بیان کی ہیں ۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ سب آیات و روایات انسان کا خدا وند عالم سے انفرادی رابطہ اور انسان کے شخصی مسائل کو بیان کررہی ہیں یا انسانوں کے آپسی روابط اور معاشرے کے نظم ونسق کے بارے میں ہیں ؟ اسلام میں جو احکام اور مسائل پائے جاتے ہیں اگر یہی ہیں جو آیات و روایات میں موجود ہیں تو پھر کیا کوئی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اسلام کو سیاسی، سماجی اور معاشرتی نظم و نسق سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور اسلام نے انسانوں کے دنیاوی مسائل کے حل کرنے کی ذمہ داری خود انھیں پر چھوڑدی ہے؟۔اور صرف آخرت،جنت و دوزخ کے بارے میں اسلام نے کچھ باتیں بیان کی ہیں ؟ انصاف پسند اور اہل منطق انسان کے لئے کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے ۔البتہ ممکن ہے کچھ لوگ دشمنی کی وجہ سے بہت سے حقائق کا انکار کردیں،لیکن پھر بھی وہ صریح اور واضح آیتیں جو قرآن مجید میں ہیں ان کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ انکار کرنا کہ اسلام کا سیاسی امور اور معاشرہ کے نظم ونسق سے کوئی

[1] نور ،۲۔

ربط نہیں ہے، یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے سورج کا انکار کر دیا جائے جو روزانہ آسمان پر ظاہر ہوتا ہے اور پوری زمین کو گرم اور روشن کرتا ہے ۔ دوسری جہت سے بھی قرآن مجید میں سیاست سے مربوط آیات کی تحقیق کی جا سکتی ہے اس طرح سے کہ نظریہ ترکیب حکومت اور نظام سیاسی کی بنیاد پر کہ حکومت تین قوتوں پر مشتمل ہے قرآن مجید کی آیات میں بحث و تحقیق کر سکتے ہیں اس وضاحت کے ساتھ کہ، جو معروف ہے کہ منتسکیو کے زمانے کے بعد سے حکومت کے عہدے تین قوتوں پر مشتمل ہیں ؛ ۱۔ قوہ مقننہ ۲۔ قوہ قضائیہ ۳۔ قوہ مجریہ۔

اب اس نظریہ کے مطابق ہم قرآن مجید پر تحقیقی نظر ڈالیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ آیا قرآن مجید نے ان تین قوتوں کے بارے میں بیان کیا ہے یا نہیں ؟واضح ہے کہ اگر قرآن مجید میں ان موارد سے مربوط آیتیں موجود ہیں کہ جن میں ان قوتوں کی ذمہ داریوں کا ذکر ہے لہذا یقینا اسلام سیاست سے مربوط ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کا سیاسی دین ہونا ثابت ہو جائے گا ۔

قوہ مقننہ کی ذمہ داری قوانین اور احکام کا وضع کرنا ہے تاکہ معاشرے میں نظم و نسق بر قرار رہے اور یہ کہ کن خاص ماحول میں عوام کا کیا کردار ہے تا کہ معاشرے میں عدالت ا ور امنیت اور نظم ونسق برقرار رہے اور لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور معاشرہ صلاح و بہبود اور ترقی کی طرف پیشگام رہے ۔ قوہ مقننہ کے ہمراہ قوہ مجریہ ہے جس کی ذمہ داری ان قوانین کو عملی جامہ پہنانا ہے کہ جو قوانین مقننہ نے وضع کئے ہیں اور جو حکومت کے ممبران ، وزیر اعظم یا صدر کی شکل میں ہے ۔ اور آخر کار ان دو قوتوں کے ساتھ تیسری قوت ہے، کہ جس کو عدلیہ کہا جاتا ہے جس کی ذمہ داری قوانین کا وضع کرنا نہیں ہے اور یہ خود قوانین کو عملی جامہ پہنانے والا بھی نہیں ہے ۔لیکن کلی قوانین کو خاص موارد پر تطبیق دینا اور ان موارد کی بحث و تحقیق کرنا جو عوام کے درمیان ، یا عوام اور حکومت کے درمیان اختلافات پیدا ہوتے ہیں ان امور میں قضاوت ا و رفیصلہ کرنے کی ذمہ داری قوہ عدلیہ کی ہے ۔ اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ آیا قرآن مجید نے ان موضوعات کے بارے میں کچھ بیان کیا ہے؟ کیا ان ذمہ داریوں کے بارے میں تذکرہ پایا جاتا ہے اور مسلمانوں کے لئے کوئی ذمہ داری بیان کی ہے ؟ یا یہ کہ قرآن مجید نے ان موارد میں سکوت اختیار کیا ہے اور ان موارد کی ذمہ داری خود

مسلمانوں کے سپرد کر دی ہے تا کہ وہ جو مصلحت سمجھیں اسی پر عمل کریں ؟قانون ساز کی ذمہ داریوں کے چند نمونے قرآن مجید نے بھی ذکر کئے ہیں قرآن اور اسلام نے ان امور کے لئے خاص اہتمام کیا ہے اور معاشرتی قوانین حقوقی، جزائی، تجارت اور معاملات وغیرہ جیسے امور میں متعدد قوانین وضع کئے ہیں جن میں حکومت سے متعلق مسائل ،کہ جن میں معاشرہ کے امور میں نظم و نسق برقرار کرنا بھی شامل ہے، بیان کئے ہیں اس کے علاوہ قرآن مجید نے پیغمبر اکرمؐ کو ایک خاص حق عطا کیا ہے جو زمان ومکان سے متعلق ہے اور زمان ومکان کے بدلنے سے قوانین میں تغییر کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا خود پیغمبر اکرمؐ کو ایسے قوانین وضع کرنے کا حق ہے اور عوام کو ان قوانین پر عمل کرنا واجب ہے ۔

خدا وند عالم قرآن مجید میں فرمایا ہے'' وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ[1]'' ''اور نہ کسی ایماندار مرد کو یہ حق ہے اور نہ کسی ایمان دار عورت کو ،کہ جب خدا اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دیں اس کی مخالفت کریں'' ۔اس آیت کے مطابق اگر خدا اور پیغمبر اکرم ﷺ عوام کو کوئی حکم دیں یا کوئی چیز معین کریں تو کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کرے ،خدا وند عالم پیغمبر اکرم ﷺ کے حکم اور ارادہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کو اپنے کام میں اختیار حاصل نہیں ہے یعنی پیغمبر اکرمؐ کے نافذ قوانین خدا وند عالم اور اس کے ثابت قوانین ان لوگوں پر کہ جو اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، عمل کرنا واجب ہے اور کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے جو قوانین وضع کئے ہیں اور عوام کے لئے معین کئے ہیں ان کی مخالفت کرے یہ آیت جو ذکر ہوئی اور آیۂ'' :النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ[2]'' ''نبی تو خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں'' اس لحاظ سے حقوقی اور اجرائی قوانین کے نفاذ میں بلند ترین مرتبہ اگر کسی کیلئے قائل ہو سکتے ہیں تو وہ دین اسلام میں پیغمبر اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہے البتہ یہ کہ آیا پیغمبر اکرم ﷺ کے اہل مراتب کے لئے یہ حق ثابت ہے یا نہیں؟ یہ ایسی بحث ہے کہ ہم اسی کتاب میں بیان کریں گے ، جو ہم نے عرض کیا اس سے معلوم ہوگیا کہ

[1] احزاب ۳۶۔
[2] احزاب ،۶ ...

قرآن مجیداور اسلام نے قوہ مقننہ کے بارے میں بھی تذکرہ کیا ہے ،معاشرتی ان قوانین کے علاوہ کہ جو بدلتے نہیں ہیں وہ قوانین بھی ہیں کہ جو متغیر ہیں نیز اس کے لئے پیغمبر اکرم ﷺ کے حق کو ذکرکیا ہے اور دوسروں کو ان قوانین پر عمل کرنے کو واجب قرار دیا ہے دو آیتیں جو ذکر ہوئیں ان میں قوہ مجریہ کی ذمہ داریوں اور ان قوانین پر عمل کرنے کے بارے میں بھی اظہار نظر کیا ہے ۔

لیکن قوۃ قضائیہ (عدلیہ) جس کی ذمہ داری اختلاف اور جھگڑوں کو ختم کرنا ہے ،کہ جو حکومت و سیاست کے دوسرے رخ کو تشکیل دیتاہے ،اس کے بارے میں بھی قرآن مجید نے سکوت اختیار نہیں کیا ،بلکہ اس سلسلہ میں بھی مطالب بیاں کئے ہیں ۔ '' فَلاَ وَرَبّکَ لاَ یُؤمِنُون حَتّیٰ یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُم ثُمَّ لاَ یَجِدُوا فِیْ أَنْفُسِھِم حَرَجاً مِمّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوا تَسْلِیْمَا[1] '' ''پس اے رسول !تمہارے پروردگار کی قسم ،یہ لوگ سچے مؤمن نہیں ہوں گے ۔ مگر یہ کہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر یہی نہیں بلکہ جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو مان لیں'' صرف یہی نہیں کہ اسلام میں قضاوت اور عدلیہ کا حکم ہے بلکہ اس کو ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے اور اس کے لئے خدا وندعالم نے خاص قسم کھائی ہے کہ جن میں وہ منفی قسمیں بھی ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں خدا وند عالم نے قسم کھائی ہے کہ لوگ سچے مؤمن نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے اختلافی موارد میں تم کو قاضی قرارنہ دیں اور فیصلہ کرنے کے لئے تمہارے پاس نہ آئیں (نہ یہ کہ دوسروں کے پاس فیصلہ کے لئے جائیں) تمہارے فیصلے کے بعد نہ صرف یہ کہ کوئی اعتراض نہ کریں، بلکہ دل سے بھی تمہارے فیصلہ کواگر چہ ان کے نقصان میں ہو کسی طرح کی کدورت نہ رکھیں اور رضایت قلب اور خوشنودی کے ساتھ تمہارے حکم کو قبول کریں ،اس مسٔلہ کی چاشنی اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم قبول کر لیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ علم غیب کے ذریعہ فیصلے نہیں کیا کرتے تھے بلکہ عام قاضیوں کی طرح جو اسلام میں احکام ا ور قوانین ہیں ان کی بنیاد پر فیصلہ کرتے تھے اسی وجہ سے ممکن تھا کہ کبھی دلائل او رمدارک ضعیف ہونے کی بنیاد پر کسی کا حق اس کو نہ مل سکے ،اگر چہ واقع

[1] سوره نساء آیت ،۶۵۔

میں اس کا حق رہا ہو، لیکن چونکہ معتبر دلیل پیش نہ کر سکا لہٰذا اس کے نقصان میں فیصلہ ہوگیا ہو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ۔ '' اِنَّمَا اَقْضِیَ بَیْنَکُمْ بِا لْبَیِّنَا تِ وَالْأَیْمَانِ[1] '' ''بیشک میں تمہارے درمیان گواہ اور قسم کے مطابق حکم کرتا ہوں یعنی میں انھیں موجودہ عدالتی قوانین کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہوں کہ جس میں شاہد ،اقرار و قسم اور اس کے مثل دلیلیں شامل ہیں ''

لہٰذا اس بنیاد پر مثلاً ممکن ہے کبھی شاہد عادل آکر گواہی دے، لیکن جس کی وہ گواہی دے رہا ہے خود اس کو اس بارے میں صحیح علم نہ رہا ہو اور یہ سمجھ بھی نہ پایا ہو کہ اس نے غلطی کی ہے ،یا یہ کہ ان موارد میں شاہد جھوٹ بولا ہو، لیکن چونکہ اس کا فاسق ہو جانا قاضی کے لئے (اس جگہ مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں) ظاہری اصول کے مطابق ثابت نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کے بر عکس ،اس کی عدالت ثابت ہوئی ہے لہٰذا اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور اسی کے مطابق حکم جاری ہوگا ۔ یہ آیت بیان کرتی ہے کہ اگر چہ اس طرح ہو اور حکم واقع کے خلاف ہو لیکن پھر بھی چونکہ عدلیہ کے قوانین کے مطابق پیغمبر اکرم ؐنے حکم دیا ہے لہٰذا ہر مومن پر واجب ہے کہ اس کو قبول کرے اس کے سامنے سر تسلیم جھکائے ورنہ مومن نہیں رہ پائے گا ۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا قانون گذاری اور قانون کے اجرا میں (قوہ مقننہ اور مجریہ) یا قضاوت اور عدلیہ میں کیا اس سے بڑھ کر اور کچھ ہے جوان آیات میں ذکر ہوا ہے آیا ممکن ہے ملک کے نظم ونسق اور معاشرے سے مربوط مسائل میں کیا ان آیات پر نظر رکھتے ہوئے اب بھی کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ اسلام کا سیاست سے کوئی ربط نہیں ہے اور اسلام نے معاشرتی اور سماجی امور میں مداخلت نہیں کی ہے ؟!

دین کا اقل یا اکثر ہونا

جیسا کہ ہم نے اشارتاً بیان کیا کہ دین وسیاست کے درمیان رابطہ کے سلسلہ میں بعض نے کہا ہے کہ ہم کو دین میں داخل ہونے سے پہلے اس مسئلہ پر بحث و تحقیق کرنا چاہیئے اور قبل اس کے کہ دین اور اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں اس میں چاہیئے کہ یہ

[1] وسائل الشیعہ ج،۲۷،ص۲۳۲۔

دیکھیں کہ ہم کو دین سے کیا امیدیں ہونی چاہئیں اور خود انھوں نے جواب دیا ہے کہ ہم کو دین سے صرف یہی امید رکھنی چاہیئے کہ دین بتائے کہ کیا عمل انجام دیں کہ جنت ملے اور جہنم و قیامت کے عذاب سے بچ جائیں، ایک جملہ میں یوں کہا جائے کہ دین سے ہم کو صرف یہ امید ہونی چاہیئے کہ آخرت سے مربوط مسائل کو ہمارے لئے بیان کرے ،لیکن دنیا سے مربوط مسائل کو بیان کرنا دین کی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ ہی دنیاوی مسائل کو دین نے بیان کئے ہیں ،ان امور میں بشر کو چاہیئے کہ اپنے علم و عقل سے مسائل کو حل کرے ۔

اس نظریہ کے سلسلہ میں یہ کہنا ضروری ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہماری زندگی اگر چہ دو حصوں ،یعنی حیات دنیوی اور حیات اخروی پر مشتمل ہے ،یعنی ایک زمانہ وہ ہے کہ ہم پیدا ہوتے ہیں اور اس عالم میں ہماری دنیاوی زندگی شروع ہوتی ہے اور موت کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ہم عالم برزخ میں داخل ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ قیامت آجائے گی (البتہ ممکن ہے کہ ہم عالم جنین (یعنی بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے) یا اس سے پہلے کے زمانے کو بھی انسانی وجود کے مراحل میں شمار کریں ،لیکن بہر حال یہ واضح اور روشن ہے کہ ہماری زندگی کے دو حصے ہیں ایک اس دنیاوی زندگی پر مشتمل ہے یہاں تک کہ موت آجائے اور دوسرا حصہ موت کے بعد اور عالم آخرت پر مشتمل ہے) لیکن اس مطلب کی طرف توجہ ضروری ہے کہ اس گفتگو کا یہ معنی نہیں ہے کہ دنیاوی زندگی کے امور بھی اسی دنیا میں دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہوں کہ اس کا ایک حصہ دنیاوی زندگی سے اور دوسر حصہ آخرت سے مربوط ہو ،بلکہ اصولاً انسان دنیا میں جو کچھ بھی عمل انجام دیتا ہے وہ اعمال اس کی آخرت کی زندگی میں ضرور اثر انداز ہوتے ہیں ، دنیاوی امور فقط اس دنیا سے مربوط نہیں ہیں ۔ '' اَلیَومَ عَمَلٌ وَلاَ حِسابَ وَغَداً حِسابٌ وَلاَ عَمَلَ''[1] '' آج عمل کرنے کا زمانہ ہے اور حساب وکتاب نہیں ہے کل حساب و کتاب کا زمانہ ہے عمل کرنے کا نہیں ہے'' لہٰذا دین اسی لئے آیا ہے کہ اسی دنیا میں ہم کو زندگی گزارنے کا سلیقہ اور احکام سکھائے نہ یہ کہ دین اس لئے آیاہے کہ جب ہم اس دنیا سے چلے جائیں ۔ اس وقت ہم کو احکام اور زندگی

---

[1] بحار الانوار،ج۷۷،ص۴۱۹۔

کا سلیقہ سکھائے! اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس دنیا میں جو ہم زندگی گزارتے ہیں (مثلاً ساٹھ سال) کیا اس کے دوحصے ہیں کہ اس کا ایک حصہ دنیا سے اور دوسرا آخرت سے مربوط ہو ؛ مثلاً ابتدائی ۳۰ سال دنیا سے مربوط اور بعد کے تیس سال آخرت سے مربوط ہوں ،! یا یہ کہ ہر چوبیس گھنٹوں میں دوحصے ہیں مثلاً دن ، دنیا وی امور سے مربوط ہو اور رات آخرت سے مربوط ہو ؛ یا ہر رات دن میں پے در پے ایک گھنٹہ دنیاوی امور کے لئے اور ایک گھنٹہ آخرت کے امور کے لئے ہو ؛ !یا یہ کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آخرت سے مربوط نہ ہو اور ہمارا دنیاوی ہر عمل آخرت کی زندگی میں اثر انداز ہے یعنی دنیاوی ہر عمل آخرت کے لئے مفید ہے اور آخرت کے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے اور ہر صورت میں ہماری آخرت پر اثر انداز ہوتا ہے ؟

اسلامی نقطہ نظر سے آخرت کی زندگی کو اس دنیا میں اپنے اعمال کے ذریعہ سنوارنا ہے ۔ '' اَلدُّنیا مَزْرَعَۃُ الْآخِرَۃِ ''' دنیا آخرت کی کھیتی ہے '' یہاں پر جو بوئیں گے وہاں پر وہی کاٹیں گے اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی سے جدا ہو ، جتنے کام بھی اس عالم میں ہم انجام دیتے ہیں جیسے سانس لینا ، آنکھ کھولنا بند کرنا ، قدم اٹھانا ، بیٹھنا ، سونا ، اٹھنا ، دیکھنا ، لوگوں سے ملنا جلنا ، بات کہنا اور سننا ، کھانا کھانا ، ازدواجی زندگی اور گھریلو روابط افراد سے روابط ، حکومت اور عوام کا رابطہ ، یہ سب کچھ ہماری آخرت کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہماری آخرت کے لئے خسارہ اور نقصان کا سبب بنیں ۔

پس ہماری دنیاوی زندگی دو مستقل حصوں پر مشتمل نہیں ہے کہ ایک حصہ دنیا کے لئے اور دوسرا حصہ آخرت کے لئے ہو ، مثلاً کھانا کھانا ، صحیح ہے کہ یہ دنیاوی زندگی سے مربوط ہے ، لیکن ممکن ہے یہی جہنم کی آگ کا سبب بن جائے ۔ '' إِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ أَمْوَالَ الْیَتَامیٰ ظُلْماً إِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَاراً وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْراً '''[1] جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور عنقریب واصل جہنم ہوں گے '' ظاہراً ایسا ہے کہ وہ کھانا کھارہے ہیں اور پیٹ بھر رہے ہیں ، لیکن واقعاً ایسا ہے کہ جو کھا رہے ہیں وہ واقع میں ایسی آگ ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگی اور وہ اسی آگ میں جل جائیں گے اور یہی کھانا جو کھارہے ہیں ان کے لئے

[1] نساء ۱۰۔

عذاب بن جائے گا، لیکن یہی کھانا کھانے میں اگر کسی کی نیت یہ ہو کہ اس کے بدن کو تقویت پہونچے تا کہ خدا کی عبادت و اطاعت کر سکے، اس وقت خود کھانا کھانا ہی عبادت بن جائے گا اور اس شخص کو ثواب ملے گا اور اس کے لئے جنت کا سبب بن جائے گا بدن کے اعضاء سے انجام پانے والا کوئی فعل نہیں ہے مگر یہ کہ ہر عمل آخرت میں سعادت کا سبب بن سکتا ہے (شرط یہ ہے کہ وہ خدا کے لئے ہو) اور دنیاوی ہر عمل ہماری عاقبت خراب ہونے کا بھی سبب بن سکتا ہے (اگر خدا کے احکام اور رضایت کے خلاف ہو) اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے انجام دینے یا نہ دینے سے کچھ اثر نہ پڑے (اگر فعل ایسے ہوں جو کہ مباح اور حلال کام ہیں جس کے انجام دینے یا نہ دینے میں کوئی رجحان نہ پایا جاتا ہو) بہر حال ایسا ہر گز نہیں ہے کہ ہماری زندگی کے دو مستقل حصے ہوں، جس کا ایک حصہ مسجد، عبادت گاہ، اور امامباڑہ سے مخصوص ہو اور وہ آخرت سے مربوط ہو اور بقیہ افعال خود ہم سے مربوط ہوں اور ان کا آخرت سے کوئی ربط نہ ہو، اس کا خدا سے کوئی ربط نہ ہو، یہ وہی غلط فکر ہے جو مغربی دنیا میں چند صدیوں سے رائج ہوگئی ہے اور ذہنوں کو خراب کردیا ہے اور رفتہ رفتہ ہمارے اسلامی ملک اور مسلمانوں کے درمیان رائج ہو رہی ہے اور مسلمان ایسا سمجھنے لگے ہیں کہ دین صرف عبادت گاہ میں ہے اور اس کا اثر بھی آخرت میں ہے اور دوسرے دنیاوی مسائل دین کے دائرہ سے خارج ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں ایسا ہر گز نہیں ہے (البتہ دوسرے مذاہب میں بھی ایسا نہیں تھا، لیکن بعد میں جو تحریفیں یا غلط تفسیر ہوئی ہیں ان کی وجہ سے ایسا سمجھا جانے لگا ہے) لیکن جو اسلام سے سمجھا گیا ہے، یہ ہے کہ انسان کو اس دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا ہے تا کہ آخرت میں اپنے لئے سعادت یا شقاوت کے اسباب مہیا کرے۔ سعادت یا شقاوت اسی دنیا کے عمل پر منحصر ہے اگر خدا کے حکم پر عمل کیا جائے تو ہمیشہ کے لئے سعادت حاصل ہوجائے گی لیکن اگر کوئی شخص خدا کے احکام کی مخالفت کرے تو اس کے لئے ہمیشہ کے لئے شقاوت اور عذاب ہے۔ جو لوگ دین کے بارے میں یہ سوال پیش کرتے ہیں کہ امور دنیا میں دین کا زیادہ دخل ہے یا کم ہے؟ دین سے ہم کو کتنی امید ہونی چاہیئے انھوں نے اس سوال کے جواب میں مغالطہ کیا ہے، انھوں نے قبول کیا ہے کہ اس کے لئے صرف دو راستے ہیں ایک یہ کہ ہم قبول کریں کہ دنیاوی تمام امور میں دین کا دخل ہے یہاں تک کہ دین ہم کو بتائے کہ

کس طرح کھانا پکائیں کس طرح کھانا کھائیں، کس طرح گھر بنائیں، کس طرح جہاز بنائیں، کس طرح کشتی بنائیں،وغیرہ روشن ہے کہ یہ بات غلط اور باطل ہے اس لئے کہ دین جہاز بنانا نہیں سکھاتا ہے ، یا دوسرا راستہ یہ کہ دین سے بہت کم امید رکھی جائے ، کہ جس میں نماز، روزہ ،خدااور بندہ کا رابطہ ، نیزآخرت شامل ہے ،جو افعال دنیاوی امور سے مربوط ہیں ان میں حکومت اور سیاست کا مسئلہ بھی ہے، جب کہ پہلا راستہ یقیناً قابل قبول نہیں ہے لہٰذا حکومت و سیاست کا دین سے کوئی ربط نہیں ہے ۔

لہٰذادوسرا راستہ خود بخود ثابت ہوجاتا ہے ۔ ان لوگوں کا مغالطہ یہاں پر جو یہ ہے کہ اس مسئلہ کا صرف دوراہ حل نہیں ہے،بلکہ تیسرا راہ حل بھی موجود ہے اوریہی تیسرا راستہ درست اور صحیح ہے ہر گز ایسا نہیں ہے کہ ہم تمام چیزوں کو دین سے سیکھیں یہاں تک کہ کھانا پکانے، کپڑا پہننے اور گھر بنانے کے طریقوں وغیرہ کو اور ایسا بھی نہیں ہے کہ دین صرف انسان او رخدا کے ما بین رابطہ اور خاص حالات اور شرائط کے لےئے ہو،بلکہ حق بات یہ ہے کہ دنیا کے تمام امور اس وقت اہمیت رکھتے ہیں جب اس کے اثر کا آخرت میں حساب کیا جائے،یہی وہ مقام ہے ،کہ جہاں پر دین قضاوت کرتا ہے، عام فہم زبان میں یوں کہا جائے کہ دین حلال وحرام کو بیان کرتا ہے ، لیکن یہ کام کس طرح کیا جائے یہ دین بیان نہیں کرتا ہے، مثلاً کھانا کھانے کے بارے میں کہ جس برتن میں کھارہے ہیں وہ برتن چینی کا ہو یا اور کسی چیز کا، دین کا اس سے مطلب نہیں ہے، لیکن دین یہ کہتا ہے بعض کھانے ایسے ہیں جن کو اگر کھایا ، حرام کام انجام دیا اور گناہ کیا ہے ۔ مثلاًسور کا گوشت کھانا حرام ہے ،کتے کا گوشت کھانا حرام ہے ، شراب پینا حرام ہے ،یا سور پالنے کے بارے میں بتانا دین کی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن دین بتاتاہے کہ سور کا گوشت کھانا، شراب کا پینا، یہ سب انسان کے تکامل میں اثر انداز ہوتے ہیں اورنقصان دہ ہیں، لہٰذا اس طرح کی چیزوں کو کھانے پینے سے منع کیا ہے پس کھاناکھانا اگر چہ دنیاوی امور میں سے ہے لیکن اس جہت سے کہ اس کا اثر ہوتاہے اور انسان کے کمال نہائی سے مربوط ہے ، دین نے اس کو بیان کیا ہے اور اس کے بارے میں احکام صادر کئے ہیں ، یا مثلاً گھر بنانے میں کہ آپ کے گھر کا دروازہ ، کھڑکی، آلومنیم کی ہو یا لوہے کی چینی کے پھول بنے ہوں یا اینٹ کا ہو،اور اس طرح کی دوسری باتیں ، اسلام بیان نہیں کرتا ہے ، لیکن یہ کہتا ہے غصبی زمین میں گھر نہ

بنائیں گھر ایسا نہ بنائیں کہ دوسروں کے گھروں سے اونچا ہو جس کے نتیجہ میں دوسروں کی ناموس پر نظر پڑے ، حرام اور رشوت والے پیسوں سے گھر نہ بنائیں ۔ کپڑا پہننے اور زینت کرنے سے اسلام کو ربط نہیں ہے، کہ کس ماڈل کا ہو یا کس رنگ کا ہو ، لیکن یہ بیان کرتا ہے کہ مرد کے لئے ریشمی اور خالص سونے کا لباس پہننا حرام ہے مرد ہو یا عورت سب ایسے کپڑے پہنیں کہ شرمگاہ کو چھپا سکیں، اگر مرد ہو اس کے لئے سونے کی انگوٹھی اور دوسری زینت کی چیزیں حرام ہیں سیر و تفریح کے بارے میں کہ آپ پارک میں جائیں یا ایسے منطقہ میں جائیں جو خوش آب و ہوا ہو یا سمندر کے کنارے جائیں، یہ اسلام سے مربوط نہیں ہیں ، لیکن اسلام یہ کہتا ہے تمہاری تفریح جوا، نہ ہو اس لئے کہ حرام ہے لہو ولعب نہ ہو اس لئے کہ لہو ولعب حرام ہے، پس اسلام ہر اس فعل کو جو انسان کے تکامل یا عدم تکامل کا سبب بنے بیان کرتا ہے ، مثبت اور منفی فائدہ اور نقصان کو بیان کرتا ہے اسلام یہ بھی بیان کرتا ہے کہ کون سا فعل انسان کے کمال تک پہونچنے یا انسان کے پستی کی طرف جانے کا سبب بن سکتا ہے ، البتہ یہ فائدہ اور نقصان انسان کے لئے کبھی اتنا روشن ہوتا ہے کہ انسان کی عقل بھی اچھی طرح درک کر لیتی ہے ، ایسے موارد میں دین کا بیان لازم نہیں ہے، حکم خدا کو عقل کے ذریعہ بھی سمجھا جا سکتا ہے، یہ وہی بحث ہے جو مستقلات عقلیہ کے عنوان سے فقہا کے درمیان مشہور ہے فقہا نے بیان کیا ہے کہ بعض مسائل میں مستقل طور پر عقل قضاوت کرتی ہے ،اور اس کے حسن و قبح کو درک کرتی ہے ،اور کشف کر لیتی ہے ، کہ خداوند عالم کا ارادہ، کس چیز سے متعلق ہے ، مثلاً ہر انسان کی عقل یہ درک کرتی ہے کہ ایک یتیم بچہ سے روٹی کا ٹکڑا چھین کر کھالینا ، برا اور ناپسندیدہ کام ہے ایسی جگہوں پر لازم نہیں ہے کہ ایک آیت یا روایات موجود ہو ،بلکہ عقل نے جو درک کیا ہے اس سے کشف ہو جاتا ہے کہ خدا کا ارادہ کیا ہے، لیکن اکثر موارد میں عقل اتنی قدرت نہیں رکھتی ہے کہ اس فعل کی اہمیت اور انسان کی سعادت و شقاوت میں اس کے اثرات کو درک کر سکے اور یہ سمجھ سکے کہ یہ کام (اچھا ہے یا برا ہے اس کی اہمیت کتنی ہے) واجب ہے یا حرام، مستحب ہے یا مکروہ ،یا مباح ہے ایسی جگہوں پر ضروری ہے کہ دین مداخلت کرے ۔

اور اس کے اثرات کو (یہ کام ہمارے کمال نہائی میں کتنا اثر انداز ہوسکتا ہے) بیان کرے، پس دین واسلام جیسا کہ نظریہ دین اقلی کے لوگ قائل ہیں (یعنی دین زندگی میں کم سے کم مداخلت کر سکتا ہے) ان کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ دین صرف آخرت کے متعلق بیان نہیں کرتا، بلکہ کسب معاش، تجارت، رہن و اجارہ، ازدواج و طلاق، کھانے اور پینے کی چیزیں، کپڑا اور مکان، سیر و تفریح وغیرہ کو بھی بیان کرتا ہے اور اسلام نے ان موارد میں متعدد احکام بیان کئے ہیں، یہاں تک کہ اسلام نے سال اور مہینوں کے بارے میں بھی ہمارے لئے مشخص کر دیا ہے اور ہم کو ہمارے حال پر نہیں چھوڑ دیا ہے، فرض کیجئے کوئی اپنے گھر کو ایک سال کے لئے کرایہ پر دے، تو سوال ہوگا کہ ایک سال میں کتنے مہینے ہیں؟ کتنے دن ہیں؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سال میں انیس مہینے ہوتے ہیں !اور ہر مہینہ انیس دن کا ہوتا ہے! (جس کا مجموعاً ۳۶۱ دنہ ہو) تو کیا واقعاً قرآن و اسلام میں سال اور مہینہ کا بھی تذکرہ ہوا ہے ؟ جواب یہ ہے ۔

''إنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰواتِ وَ الأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ''[1]
''اس میں تو شک ہی نہیں ہے کہ خدا نے جس دن آسمان و زمین کو پیدا کیا اسی دن سے خدا کے نزدیک خدا کی کتاب لوح محفوظ میں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار مہینے (ادب و حرمت کے ہیں) یہی دین سیدھی راہ ہے ۔

قرآن اور اسلام نے آسمان پر چاند کے گھٹنے اور بڑھنے، اور مسلمانوں کے لئے اس کے فائدہ کو بھی بیان کیا ہے ۔ ''يَسْءَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ''[2] ''اے رسول تم سے لوگ چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کیوں (گھٹتا بڑھتا ہے) تم کہہ دو کہ اس سے لوگوں کے دنیاوی امور، اور حج کے اوقات معلوم ہوتے ہیں '' یہ چاند کہ جو مختلف شکلوں میں آسمان پر دکھائی دیتا ہے لوگوں کے عبادی اور حقوقی مسائل کے واضح ہونے کے لئے مفید ہے اور یہ اس لئے ہے تا کہ نماز و روزہ اور حج کیلئے اسی کو معیار قرار دیں اور حقوقی کاموں کے لئے بھی مفید ہے، مثلاً کوئی کہے کہ میں آپ کو اتنا مبلغ پیسے دو مہینے کے لئے قرض دے رہا ہوں،

---
[1] سورہ توبہ ۳۶ ۔
[2] بقرہ،۱۸۹۔

یا اس دکان کو نو مہینے کے لئے کرایہ پردے رہا ہوں،اب عاقل اور منصف مزاج انسان خود فیصلہ کریں،کہ وہ دین جس نے نماز ، روزہ حج، طہارت (پاکی) و نجاست کے ساتھ خرید و فروش،رہن واجارہ،ازدواج و طلاق، شوہر بیوی کے روابط، بیٹے کے ماں باپ سے روابط ، جنگ و صلح دوسری ملتوں سے روابط ، یہاں تک کہ کھانے پینے،کپڑا پہننے،زینت کرنے گھر بنانے، سیر و تفریح کرنے،یہی نہیں،بلکہ مہینہ اور سال کو معین کرنے کے بارے میں بھی بیان کیا ہے، دین اقل ہے یا دین اکثر ہے،یعنی دین دنیاوی امور میں زیادہ دخیل ہے یا کم ؟ایسا دین سیاسی ہے یا غیر سیاسی ؟دین نے معاشرتی اور سماج و معاشرہ کے نظم و نسق میں مداخلت کی ہے یا صرف شخصی اور عبادی امور کو بیان کیا ہے،آیا کوئی عقلمند انسان یہ قبول کرسکتا ہے کہ سور کا گوشت کھانا، یا شراب کا پینا انسان کی سعادت یا شقاوت پر اثر انداز ہے، لہٰذا صرف ان مسائل کو دین بیان کرتا ہے، لیکن حکومت کیسی ہواور معاشرے کا نظم و نسق کس طرح ہو اس کا آخرت پر کوئی اثر نہیں ہے، لہٰذا اسلام ان امور میں مثبت یا منفی نظر نہیں بیان کرتا ہے ؛مثلاًوہ یہ کہتے ہیں کہ یزید کی حکومت اور امیر المومنین ـ کی حکومت میں کوئی فرق نہیں ہے اور اسلام نے اس بارے میں کوئی نظریہ نہیں پیش کیا ہے اور یہ صرف دو روش و طریقے تھے یزید کو وہ طریقہ پسند تھا اس پر عمل کرتا تھا ،اور علیؑ کو یہ طریقہ پسند تھا لہٰذا اس پر عمل کرتے تھے،یہ سب دین سے مربوط نہیں ہیں ، یزید کی حکومت کا طریقہ ، اور علیؑ کی حکومت کا طریقہ، نہ تو ان کی سعادت و شقاوت اور نہ ہی معاشرے کی سعادت و شقاوت میں اثر انداز ہے یہ مسئلہ دنیاوی امور سے مربوط ہے ـ اور میں کہ دین ہوں میرا کام صرف انسانوں کی آخرت، جنت و جہنم کا بیان کرنا ہے ـ کیا اسی زمانے میں کیا کوئی کہہ سکتا ہے (کہ وہ حکومتیں جو ان ، بچوں کو جو کسی بھی مذہب کے مطابق گناہگار نہیں ہیں ، ان کا سر کاٹ دیتی ہیں ، یا زندہ دفن کردیتی ہیں ، یا ان پر بمباری کرتی ہیں ان کو نیست و نابود کردیتی ہیں ، اور وہ حکومتیں کہ جو مظلوموں، کمزوروں کی خدمت کرتی ہیں) میری نظر میں دونوں حکومتیں مساوی ہیں اور حکومت کے یہ دو طریقے جنت و جہنم کے بارے میں کوئی اثر نہیں رکھتے ہیں،جواب مشکل نہیں ہے ؛ تھوڑی سی دقت کافی ہے ـ

''إِنَ شَرّ َالدّوَابِ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الّذِیْنَ لاٰ یَعْقِلُوْنَ[1]'' ''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زمین پر چلنے والے تمام حیوانات سے بدتر خدا کے نزدیک وہ بہرے، گونگے (کفار) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے''۔

[1] سورہ انفال آیت نمبر ٢٢۔

تیسری فصل

اسلامی حکومت میں عوام کا کردار

فلسفۂ سیاست کی بحث میں ایک اساسی اور اہم سوال یہ ہے کہ مسند حکومت پر بیٹھنے کا کس کو حق حاصل ہے تاکہ وہ معاشرے میں نسق و نظم بر قرار کرے ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ معاشرے کے امور میں کسی شخص یا گروہ کے امر و نہی کرنے کا معیار کیا ہے، کہ عوام کو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے، یہ وہ بحث ہے جس کو ہم حکومت کا شرعی جواز کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ نظریہ ولایت فقیہ کے تین فرضیوں میں ہم نے بیان کیا کہ اسلامی نظریہ کے مطابق حاکمیت اور حکومت کا ذاتی اور اصل حق خدا وند متعال کا ہے، کسی شخص یا گروہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے، لیکن یہ کہ دلیل موجود ہو، کہ خدا وند عالم نے یہ حق اس کو عطا کیا ہے، جو دلیلیں ہمارے پاس موجود ہیں ان کے ذریعہ ہم معتقد ہیں کہ خداوند عالم نے یہ حق پیغمبر اکرم ﷺ اور بارہ آئمہ معصومین ؑاور ان کے بعد غیبت امام زمانہ میں یہ حق فقیہ جامع شرائط کو عطا کیا ہے، لیکن کیا دین اسلام میں یہ حق، معاشرے کے تمام افراد کو بھی حاصل ہے، اس سوال کا جواب (حکومت کے شرعی جواز اور اس کی مقبولیت) اور اسلامی حکومت میں عوام کا کردار اور نظام ولایت فقیہ کی بحث میں بیان کیا جاتا ہے چونکہ اس بحث کی خاص اہمیت ہے، لہٰذا اس بارے میں تفصیلی بحث پیش کریں گے ۔

حکومت کے شرعی جواز کا مطلب

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ مشروعیت سے مراد حقانیت ہے، جس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی، اور ایسے عہدے کی ذمہ داری لی ہے، کیا اس کو یہ حق حاصل تھا کہ اس مسند پر بیٹھے یا نہیں ؛یعنی صرف نظر اس بات پر کہ اس کی شخصیت کیا ہے، شخصاً وہ مصلح اور عادل انسان ہے یا نہیں، آیا کسی معیار اور اعتبار کی بنیاد پر ہے اس کو حکومت کا حق ہے یا نہیں؟اس سے بھی صرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ قوانین جو اس نے وضع کئے اور اجرا کر رہا ہے اچھے، اور عدالت کے ساتھ معاشرہ کی مصلحت کے لئے ہیں،

کیا اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ ان قوانین کو اجرا کرے ؟اوپر جو ہم نے توضیح پیش کی اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اگر چہ لغوی لحاظ سے لفظ مشروعیت شرع سے اخذ ہواہے ، اور شرع سے مشتق ہے ، لیکن چونکہ یہ لفظ انگریزی اس کلمہ کے (legitarac کے مقابل و معادل قرار پایا ہے کہ جس کے معنی قانونی، اور حق پر ہونے کے ہیں، لہٰذا یہ شریعت اور دین صرف دینداروں سے مخصوص نہیں ہے کہ یہ سوالات صرف انہیں لوگوں سے ہوں،بلکہ ہر حاکم اور حکومت کے لئے یہ سوال پیش کیا جا سکتا ہے اور فلسفہ سیاست کے تمام مکاتب، اور علم سیاست کے سبھی دانشوروں کے سامنے یہ سوال بیان کیاجا سکتا ہے ۔اس طرح یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مشروعیت کے معنی ،جیسا کہ افلاطون و ارسطو اور دوسرے بعض فلاسفہ نے بیان کیا ہے (قانون کا اچھا اور مصلحت کے موافق ہونا) یہ معنی ہماری نظر میں صحیح نہیں ہے،اس لئے کہ مشروعیت کی بحث میں یہ سوال پیش نہیں کیا جا سکتا ہے، کہ قانون اچھا کامل اور معاشرے کی مصلحت کے موافق ہو یا نہ ہو ،بلکہ بحث قانون کے اجرا کرنے والے کے سلسلے میں ہے کہ اس کے پاس شرعی کون سا جواز ہے کہ اس کو قانون کے اجرا کرنے کا حق حاصل ہوگیا ہے ۔

نیز ہماری بحث جو مشروعیت میں ہے وہ قانون کے اجراء کی کیفیت (اور کس طرح اجرا ہورہا ہے) میں نہیں ہے،فرض کریں کہ یہ قانون کے اجرا کرنے میں ،آیا ان قوانین کو صحیح اجرا کیا جارہا ہے یا قانون کو اجرا کرنے والوں کے اندر اس کی لیاقت اور صلاحیت نہیں ہے،اگر یہ بھی فرض کرلیں کہ قانون اور اس کا اجرا کرنے والے افراد اچھے اور بغیر نقص و عیب کے ہوں، لیکن اصل بحث یہ ہے کہ قانون کا اجرا کرنے والے کس اساس و بنیاد کی بنا پر مسند حکومت پر بیٹھے ہیں ۔اس بحث میں مشروعیت کے مقابلہ میں غصب ہے اس اصطلاح میں ناجائز حکومت کا مطلب غاصبوں کی حکومت ہے، ہم نے جو مشروعیت کی تعریف کی ہے، اس بنا پر فرض یہ ہے کہ حکومت اگرچہ اچھی اور عادل ہو پھر بھی وہ غاصب اور نامشروع ہوسکتی ہے،اس لئے کہ اس حکومت کو شرعی جواز حاصل نہیں ہے ۔

مقبولیت

مقبولیت کا مطلب یہ ہے کہ عوام اس حکومت کو قبول کرتے ہوں اگر عوام کسی شخص یا گروہ کی حکومت قبول کرنے کی طرف مائل ہوں اور اس شخص یا گروہ کی طرف سے حکومت کا اجرا کرنے کو قبول کرتے ہوں اور اس کے نتیجے میں ایسی حکومت تشکیل پائے ،جو عوام کی مقبولیت کے ساتھ ہو اس صورت میں حکومت اور حاکموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے وہ حکومت اور حاکم کہ جن کی حکومت کو ایک معاشرے کے عوام نے رضا ء قلب کے ساتھ قبول کیا ہو وہ حکومتیں اور حاکم جن کی حکومت کو عوام نے اجبار اور اکراہ کے ساتھ قبول کیا ہو ، مقبولیت اس حکومت سے مخصوص ہے کہ جس کی خصوصیات پہلی قسم میں سے ہوں ۔

مشروعیت اور مقبولیت کے درمیان رابطہ

مشروعیت اور مقبولیت کے رابطہ کو معین کرنے کے لئے اس ضابطہ کو پرکھا جائے گا جو ہم نے مشروعیت کے لئے چنا ہے ، واضح ہے کہ اگر حکومت کی مشروعیت کا معیار عوام کی رضایت قرار دیں یعنی ایک معاشرے کے عوام رضایت اور رغبت کے ساتھ اس حکومت کے زیر سایہ زندگی گزار نا پسند کریں ایسی صورت میں مشروعیت ا ور مقبولیت ایک ساتھ محسوب ہوں گی اور وہ حکومت جو شرعی جواز رکھتی ہوگی وہ مقبول بھی کہلائے گی ،اور اس کے بر عکس ہر وہ حکومت جو مقبولیت رکھتی ہو اس کا شرعی جواز بھی ہو،اگر حکومت شرعی جواز رکھتی ہو ، لیکن عوام کی مقبولیت نہ ہو یا یہ کہ عوام کی مقبولیت ہو لیکن شرعی جواز نہ رکھتی ہو، ایسی حکومت متصور نہیں ہے ۔

لیکن اگر مشروعیت کا معیار عوامی مقبولیت کے علاوہ کسی اور چیز کو قرار دیں اس وقت مقبولیت اور مشروعیت میں جدائی پائی جائے گی اور ایسی صورت میں ممکن ہے ایسے حکام یا حکومتیں پائی جائیں ، یا فرض کی جائیں ، اگر چہ وہ شرعی جواز رکھتی ہوں، لیکن عوام کے نزدیک مقبول نہ ہوں یا اس کے بر عکس ایسے حکام یا حکومتیں پائی جاسکتی ہیں کہ جو عوامی مقبولیت رکھتی ہوں، لیکن شرعی

جوازنہ رکھتی ہوں۔یعنی اگر عوام اس حکومت کو پسند کرتے ہوں لیکن مشروعیت نہ رکھتی ہو، جس کے نتیجہ میں وہ غاصب حکومت ہوگی ۔لہٰذا ہمارا اصلی سوال یہی ہے کہ اسلام میں کسی حکومت کے شرعی جواز کا معیارکیا ہے؟اگر اس سوال کا جواب واضح اور روشن ہوجائے تو اس وقت اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ میں عوام کا کردار اور ان کی موقیعت زیادہ واضح ہوجائے گی،اس مسئلہ پر اسلامی حکومت میں عوام کے کردار کے عنوان سے مفصل بحث بیان کریں گے ۔

اسلامی حکومت میں عوام کا کردار

اسلامی حکومت میں عوام کے کردار کا کیا مطلب ہے، ممکن ہے یہ ایک تاریخی سوال ہو یعنی کوئی محقق یہ چاہتا ہو کہ طول تاریخ اسلام میں جو حکومتیں وجود میںآئیں ہیں پہلی اسلامی حکومت جو کہ پیغمبر ؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے مدینہ میں وجود میں آئی اور اس کے بعد سے اب تک وہ حکومتیں جو اسلامی معاشرے میں وجود میں آئی ہیں ان میں عوام عملی طور پر کس حد تک حکومتوں کے وجود ،اور قدرت اقتدار کو بڑھانے میں اثر انداز ہوئے ہیں ان کی تحقیق کی جائے لیکن اس بحث میں ہم اس جہت سے بحث و تحقیق نہیں کررہے ہیں، بلکہ فعلاً ہمارا مقصد اس مسئلہ کے تھیوری اور اسلام نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کے بارے میں بحث ہے مشروعیت اور مقبولیت کے بارے میں ہم نے جو توضیح پیش کی ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے خود یہ سوال دوسرے دو سوالوں کا سبب بن سکتا ہے، ۱۔ ایک یہ کہ حکومت کے شرعی جواز میں عوام کا کیا کردار ہوسکتا ہے کہ اگر عوام اس کو انجام نہ دیں حکومت قانونی اور شرعی نہیں ہوسکتی، ۲۔ دوسرے یہ کہ اسلامی حکومت کے تحقق اور وجود اور کام کو شروع کرنے میں عوام کا کیا کردار ہوسکتا ہے یعنی بعد اس کے کہ حکومت قانونی شرعی اور بر حق مشخص ہوجائے، کیا اس حکومت کے لئے ضروری ہے کہ طاقت کا استعمال کر کے عوام پر حکومت تحمیل کرے ،یا یہ کہ اس تھیوری کو عملی جامہ پہنانے اور اسلامی حکومت برقرار کرنے میں عوام خود مداخلت کریں اور اس تھیوری کو قبول کریں اور اسلامی حکومت کو اختیار کریں اور اس کے زیر سایہ زندگی گزاریں ؛ اس بنا پر خلاصہ کے طور پر دو سوال کئے جا سکتے ہیں ا۔حکومت اسلامی کے شرعی جواز کے لئے عوام کا کیا کردار ہے؟

۲۔ اسلامی حکومت کے وجود میں آنے اور حاکمیت حاصل کرنے میں عوام کا کیا کردار ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہم تاریخ اسلام کو تین دور میں تقسیم کریں گے ، ایک خود پیغمبر اکرم ﷺ کا زمانہ دوسرا آئمہ معصومین ۲۲۲ اور آئمہ کا معاشرے میں حاضر رہنے کا زمانہ ،تیسرا وہ زمانہ کہ جو ہمارا زمانہ ہے کہ جس میں امام معصوم علیہ السلام پردہ غیب میں ہیں ۔ لیکن رسول خدا ﷺ کے زمانے میں ظاہراً مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کی حکومت کے شرعی جواز میں عوام سے کوئی ربط نہیں تھا بلکہ حکومت کا شرعی جواز صرف خداوند عالم کی طرف سے تھا خداوند عالم نے بغیر اس کے کہ عوام کے رجحانات کو نظر میں رکھتا، جس طرح آنحضرت کو پیغمبری کے لئے انتخاب کیا تھا اسی طرح حکومت کا حق بھی عطا کیا تھا چاہے عوام قبول کریں یا نہ کریں، حاکم قانونی و بر حق خود رسول اکرم ﷺ تھے اگر عوام اسلامی حکومت کو قبول نہ کرتے تو صرف یہی ہوتا کہ اسلامی حکومت وجود میں نہ آتی، نہ یہ کہ خداوند عالم نے جو حکومت کا شرعی جواز عطا کیا تھا وہ بھی ختم ہوجاتا ، خداوند عالم نے پیغمبر ﷺ کو پیغمبری کے علاوہ حکومت اور حاکمیت کا حق بھی عطا کیا تھا وہ عوام کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے واپس لے لیتا اور لغو کردیتا، ایسا ہرگز نہیں ہے ۔

یعنی پیغمبر اکرم ﷺ کو خدا وند عالم کی طرف سے دو منصب عطا ہوئے تھے ایک پیغمبری کا اور دوسرا حکومت کا منصب، جس طرح اگر عوام پیغمبر اکرم ﷺ کی پیغمبری کو قبول نہ کرتے اور انکار کردیتے یہ اس بات کا سبب نہ ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کی پیغمبری لغو ہوجاتی اور آنحضرت ﷺ پیغمبر نہ رہ جاتے آنحضرت ﷺ کی حکومت کے بارے میں بھی ایسا نہیں ہے، اسی طرح پیغمبر اکرم ﷺ کی حکومت میں عوام کا کیا کردار تھا اس میں بھی ظاہراً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عوام کا کردار صرف حکومت کے وجود میں آنے کے لئے تھا یعنی پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی حکومت کے وجود میں آنے کے لئے عوام کا سہارا لیا تھا یعنی پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی حکومت کے لئے طاقت کا استعمال نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے وجود کا سبب خود عوام تھے ۔کہ وہ ایمان لائے اور اس حکومت کو کہ جو خدا کی طرف سے تشریع ہوئی تھی خوشنودی قلب کے ساتھ قبول کر لیا تھا، اور اس کو قبول کرنے

کی دلیل میں انھوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کی بیعت کی اور اپنی جان و مال نثار کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا اور آپ کی حکومت کے ستونوں کو مضبوط کیا اور ایک مضبوط حکومت وجود میں لائے، لہٰذا حکومت کے شرعی جواز کے سلسلے میں عوام کا کردار کچھ بھی نہیں تھا، لیکن حکومت کے تحقق میں عوام کا صد درصد حصہ تھا، اور جو کچھ بھی ہوا وہ عوام کی مدد کا نتیجہ تھا البتہ غیبی امداد اور خدا کی عنایتیں اپنی جگہ پر ہیں اور ہم ان کا انکار بھی نہیں کرتے ہیں، لیکن مقصد یہ ہے کہ کوئی زور زبر دستی درکار نہیں تھی اور جو چیز سبب بنی کہ آنحضرت کی حکومت تشکیل پائے وہ عوام کی رغبت اور ان کا قبول کرنا تھا، وہ مسلمان جو اسلامی معاشرے میں تھے ان میں اکثر پیغمبر اکرم ﷺ کی حکومت کے مخالف نہیں تھے، لیکن بعض منافقوں کا گروہ جو اس معاشرے میں تھے وہ دل سے آنحضرت ﷺ کی حکومت سے راضی نہیں تھے لیکن چونکہ وہ بہت کم تھے لہٰذا وہ اپنے وجود کا اظہار بھی نہیں کرتے تھے اور کھلے عام آپ کی حکومت کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔

بہر حال ہمارے لحاظ سے پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں اسلامی حکومت کی وضیعت روشن ہے اور کوئی اس میں اختلاف نہیں ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد اسلامی حکومت کا شرعی جواز کس شخص کو حاصل ہے؟ اس مقام پر مسلمانوں میں اختلاف ہے اور اساسی اختلاف شیعہ اور اہل سنت کے درمیان یہی مسئلہ ہے کہ آئندہ اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے۔ اہل سنت کے نظریہ کے مطابق پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد اسلامی حکومت کے شرعی جواز کا معیار اہل سنت معتقد ہیں اگر چہ پیغمبر اکرم ﷺ کی حکومت کے شرعی جواز کا معیار یہ ہے کہ خداوند عالم نے انھیں منصوب کیا ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد حکومت کے شرعی جواز کا معیار بدل جاتا ہے اہل سنت عام طور پر تین معیار بیان کرتے ہیں ۱۔ امت کا اجماع ۲۔ اسکے پہلے والے خلیفہ نے منصوب کیا ہو ۳۔ اہل حل وعقد نے خلیفہ معین کیا ہو۔

اجماع امت کے بارے میں وہ معتقد ہیں کہ خلیفہ اول کی حکومت کے شرعی جواز کا معیار یہی تھا کہ لوگ جمع ہوئے اور ان کو خلافت کے لئے قبول کرلیا ان کی خلافت کے شرعی جواز کی یہی دلیل ہے۔ خلیفہ دوم کی حکومت کے شرعی جواز کے لئے معتقد ہیں کہ ان

کی حکومت کے شرعی جواز کا معیار یہ ہے کہ ،ان کے پہلے والے خلیفہ نے انھیں منتخب کیا ہے، یعنی حضرت ابوبکر نے ان کو اپنے بعد خلیفہ منتخب کیا تھاا ور حضرت عمر کی حکومت کے شرعی جواز کی یہی دلیل ہے ۔اہل حل و عقد سے مراد یہ ہے کہ قوم کے بزرگوں میں سے کچھ لوگ اور وہ لوگ کہ جو مسئلہ خلافت میں صاحب نظر ہوں یا اصطلاح میں یوں کہا جائے کہ وہ لوگ جو اہل سیاست ہیں، جمع ہوں اور آپس میں رائے ومشورہ کرکے کسی شخص کو خلافت کے لئے منتخب کرلیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کی حکومت کے شرعی جواز کا یہی معیار تھا ،یعنی وہ شش نفری کمیٹی کہ جس کو حضرت عمر نے معین کیا تھا، اس کمیٹی نے حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کیا ، ان کی حکومت کے شرعی جواز کا یہی معیار تھا اور آیۃ ''أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ[1]''اس آیت کے بارے میں اہل سنت معتقد ہیں کہ اولی الامر سے مراد کوئی خاص شخص نہیں، بلکہ اس کا لغوی معنی مراد ہے یعنی وہ لوگ جو احکام جاری کرنے والے ہیں جیسے حکام، سلاطین ،اور بادشاہ یا آج کی اصطلاح میں کہا جائے کسی ملک کا وزیر اعظم یا صدر جمہور یہ مراد ہیں، یہی نہیں بلکہ اہل سنت کے بعض بزرگوں نے اپنی کتابوں میں صراحت کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص خلیفہ یاحاکم وقت کے خلاف آواز بلند کرے اور جنگ کرنے لگے چونکہ اس نے خلیفۂ بر حق، کے خلاف قیام کیا ہے لہٰذا اس کا قتل واجب ہے لیکن اگر وہ اس جنگ میں فتح یاب ہوجائے اور خلیفہ وقت کو اس کے عہدے سے ہٹادے اور مسند خلافت پر بیٹھ جائے ،اور حکومت پر مسلط ہوجائے اس وقت اس کی اطاعت واجب ہوجائے گی اس لئے کہ اب اولی الامر ،اس حاکم پر صدق کرے گا اور قرآن مجید کی آیت کے مطابق اس کی اطاعت واجب ہے[2] البتہ یہ نظریہ علمائے اہل سنت کی طرف سے ایک معیاراور دلیل ہے کہ کہ اس نظریہ کی بنیاد پر حکومت کے شرعی جواز کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی مسند حکومت پر قابض ہوجائے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھال لے اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس نے یہ حکومت کس طرح حاصل کی ہے ۔یہاں تک کہ اگر اس نے جنگ وخونریزی،

---

[1] نساء،۵۹۔

[2] ا س قول کامعیارنظریہ (استیلا) ہے کہ اہل سنت کے نظریات میں سے ایک نظریہ ہے کہ جو حکومت و سیاست کی بحث میں اہل سنت کے بعض علماء جیسے شافعی، غزالی ، ماوادی ، ابن ہیثم اور دوسروں نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے مثال کے طور پر امام شافعی سے نقل ہوا ہے کہ (ومن ولي الخلافة فاجتمع عليہ الناس ورضوا بہ فهو خليفة ومن غلبهم بالسيف حتى صار خليفة فهو خليفة) زیادہ معلومات کے لئے ، ابوزہرہ محمد نے تاریخ (تاریخ المذاہب الاسلامیہ) اور (العقائد و تاریخ المذاہب الفقیہ) الجزء الاول) رجوع کریں ۔

انسانوں کے قتل ،اور ظلم کے ساتھ بھی غلبہ حاصل کر لیا ہو پھر بھی اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کی مخالفت کرنا حرام ہے

بہر حال اہل سنت برادران کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حکومت کے شرعی جواز کے سلسلہ میں یہی معیار ہیں جو ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے ،کہ ان میں مشہور یہ تین معیار ہیں ١. عوام خلیفہ کو منتخب کریں ٢. پہلے والے خلیفہ نے منتخب کیا ہو ٣. اہل حل وعقد منتخب کریں ۔

شیعہ حضرات کے نظریہ کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلامی حکومت کے شرعی جواز کا معیار ،امام معصوم کے حضور کا زمانہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حکومت کے شرعی جواز کے سلسلہ میں (شیعوں) کے نظریہ کے مطابق معیار کو بیان کرنے سے پہلے بہتر ہے ہم دودور کے قائل ہوں اور اس لحاظ سے بحث شروع کریں ۔

الف : پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ زمانہ کہ جس وقت آئمہ معصومین معاشرے میں رہ کر زندگی گزار رہے تھے ،یہ دور ١١ھ سے ٢٦٠ھ تک ہے یا ایک لحاظ سے ٣٢٩ھ تک [1] ہے شیعوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس طرح پیغمبر اکرم کی حکومت کا شرعی جواز خداوند عالم کی طرف سے ہے اسی طرح خداوند عالم نے بارہ اماموں کو معین اور منصوب فرمایا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند عالم کی طرف سے حکم ہوا کہ ان آئمہ علیہم السلام کی معرفت عوام کو کرائیں ۔

شیعہ عقیدے کے لحاظ سے اولی الامر سے مراد (جو کہ آیت میں ہے ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِي الْاَمْرِ مِنْکُمْ '' تمام حکام اور بادشاہ نہیں ہیں ،بلکہ خاص افراد مراد ہیں اس بارے میں شیعوں کی دلیل، وہ روایات ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں نقل ہوئی ہیں کہ ان میں ایک یہ ہے جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ '' اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اصحاب آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اولی الامر) کے بارے میں سوال کیا ،جن میں پیغمبر اکرم

---

[1] ٢٣٩ ہجری جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ منحصر ہے اس بات پر کہ ہم اس زمانے کو بھی شامل کریں کہ جس وقت امام زمانہ کا اپنے خاص نائبوں کے ذریعہ عوام سے رابطہ تھا یعنی غیبت صغریٰ کو بھی شامل کریں ۔

ﷺ کے معروف صحابی جابر بن عبداللہ انصاری بھی تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے اطیعوا اللہ کا معنی سمجھ لیا اور اطیعوا الرسول کا بھی معنی سمجھ لیا لیکن اولی الامر سے مراد کیا ہے، ہم کو نہیں معلوم ،آنحضرت ﷺ نے فرمایا :(اولی الامر) سے مراد (میرے بارہ وصی اور جانشین ہیں ،کہ جن میں سب سے پہلے حضرت علی ۔ ہیں اور ان کے بعد پیغمبر ﷺ نے آئمہ علیہم السلام کا نام بھی عوام کے سامنے بیان کیا ۔اس روایت کے مشابہ دوسری روایتیں بھی ہیں جو اہل سنت حضرات کی کتابوں میں موجود ہیں[1]بہر حال شیعوں کے عقیدہ کے مطابق ،اولی الامر سے مراد بارہ معصوم امامؑ ہیں ۔

ان آئمہؑ کی خصوصیتوں میں سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ معصوم ہیں اور ان حضرات کو پیغمبر ﷺ نے نہیں،بلکہ خود خداوند عالم نے پیغمبر ﷺ کے بعد خلافت کے لئے منصوب فرمایا ہے ،اور پیغمبر ﷺ کا ان کے منتخب ہونے میں کوئی کردار نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ کی ذمہ داری صرف یہ تھی کہ خداوند عالم کا یہ حکم مسلمانوں تک پہونچادیں ۔ '' یا أیّھا الرَّسُولُ بلّغ ما أُنزِلَ إلیکَ مِن رَّبّکَ وَإن لَّمْ تَفْعَلْ فَا بَلّغْتَ رِسالَتَہ[2] '' '' اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیاہے پہونچادو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لوکہ تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا ''

شیعوں کے عقیدے کے مطابق یہ آیت غدیر خم کے میدان میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے اعلان کے لئے نازل ہوئی تھی اور واضح اورروشن ہے کہ یہ آیت پیغمبر ﷺ کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت ا ور جانشینی پر دلیل ہے کہ خود خداوندعالم نے حضرت علیؑ کو منتخب کیا ہے اور پیغمبرؐ اس سلسلہ میں رابطہ اور ذریعہ ہیں کہ خدا وندعالم کا حکم مسلمانوں تک پہونچادیں ۔ حضرت علیؑ کے بعد گیارہ معصوم امامؑ ہیں ،ان کے بھی انتخاب کا یہی سلسلہ ہے اس بنا پر پیغمبر اکرم ﷺ کی حکومت کے لئے جو شرعی جواز ہے(یعنی خداوند عالم نے ان کو حاکم منصوب کیا تھا)آئمہ معصومینؑ کی حکومت کے شرعی جواز کا بھی یہی معیار ہے،اور جس طرح ہم نے پیغمبر اکرم ﷺ کی حکومت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ آپ کی حکومت کے شرعی جواز میں عوام کا کوئی دخل

---

[1] مراجعہ کریں کتاب ، سلطان الواعظین ، (شبهای پیشاور در دفاع از حریم تشیع ،ص۹۹۷و ص۹۷۵۔
[2] سورہ مائدہ آیت ۶۷ ۔

نہیں تھا یعنی اگر عوام آپ کی حکومت کو قبول بھی نہ کرتے پھر بھی پیغمبر ﷺ کی حکومت کے شرعی جواز پر کچھ اثر نہ پڑتا ، آئمہ معصومین ؑ کی حکومت کے شرعی جواز کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے ، اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پیغمبر اکرم ﷺ کے بارے میں بیان کیا کہ آنحضرتؐ کو خداوند عالم نے دو منصب عطا کئے تھے ایک پیغمبری کا منصب، دوسرا حکومت کا منصب، اور جس طرح اگر عوام آنحضرت ﷺ کی پیغمبری کو قبول نہ کرتے تو یہ باعث نہ ہوتا کہ آپ پیغمبر نہ رہتے ، اور خداوند عالم لوگوں کے قبول نہ کرنے سے آپ کی پیغمبری کو لغو کردیتا ، اسی طرح پیغمبر ﷺ کی حکومت و اقتدار کو اگر عوام قبول نہ کرتے تو نبی اکرمؐ کا یہ منصب خدا وند عالم ہرگز لغو نہ کرتا بلکہ خداوند عالم کی نظر میں حکومت کا حق آپ ہی کو ہوتا ہم آئمہ معصومین کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں چونکہ آئمہ معصومؑ کی حکومت کا شرعی جواز شیعہ نظریہ کے مطابق خداوند عالم کی طرف سے ہے لہٰذا اگر چہ عوام حمایت نہ کریں اور ان کے اقتدار کو قبول نہ کریں، پھر بھی خداوند عالم کی نظر میں ان کی حکومت کے شرعی جواز کا حق اسی طرح قائم ودائم رہے گا اور آئمہ معصومین ؑ کو حکومت کا حق رہے گا ۔

مسلمانوں کے درمیان ان کے موجود ہوتے ہوئے دوسروں کی حکومت کو شرعی جواز حاصل نہیں ہے ، اور جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی حکومت کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ، کہ آنحضرت ﷺ کی حکومت محقق ہونے میں صد درصد عوام کا کردار تھا ، اور حضرت نے حکومت محقق ہونے کے لئے طاقت کا استعمال نہیں کیا تھا بلکہ اس حکومت کے وجود میں آنے کا سبب خود عوام اور مسلمان تھے آئمہ معصومینؑ کی حکومت کے لئے بھی ایسا ہی ہے کہ ان کی حکومت کے محقق ہونے کے لئے بھی صد در صد عوام کا کردار ہے آئمہ معصومین ؑ بھی رسول اکرم ﷺ کی طرح اپنی شرعی حکومت کے محقق ہونے کے لئے طاقت کا استعمال نہیں کرتے ہیں، بلکہ اگر عوام اور مسلمانوں نے قبول کرلیا تو اس وقت حکومت کے باگ ڈور کی ذمہ داری کو قبول کر لیتے ہیں ۔ اس نظریہ کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے بعد ۲۵، پچیس سال تک اگر چہ حضرت علیؑ کو حکومت سے دور رکھا گیا آپ کی حکومت پر دوسروں نے قبضہ کر لیا تھا ، پھر بھی حضرت علیؑ کی حکومت کا شرعی جواز محفوظ تھا اور آپ ہی کو حکومت کا شرعی جواز حاصل

تھا ، لیکن چونکہ معاشرے اور عوام نے قبول نہیں کیا جس کے نتیجہ میں آپ کی شرعی حکومت محقق نہ ہوسکی یہاں تک کہ جب خود عوام نے چاہا اور آپ کی حکومت کے لئے اپنے رجحان کا اظہار کیا ،اس وقت آپ نے حکومت کو جو آپ کا حق تھا قبول کرلیا ۔ اس بارے میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں " : لَوْ لاَ حُضُوْرُ الحَاضِرِ وَقِيَامُ الحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ لاَلْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلَى غَارِبِهَا[1] " "اگر عوام میری حکومت کو قبول نہ کرے اور میرے اوپر مددگاروں کے نہ ہونے کی وجہ سے حجت تمام ہوتی ......میں حکومت کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا " اس لحاظ سے پیغمبر اکرمؐ کی حکومت کے شرعی جواز اور حکومت محقق ہونے میں ، نیز آئمہ معصومینؑ کی حکومت کے شرعی جواز ،اور حکومت محقق ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں موارد میں (مشروعیت اور حکومت کا متحقق ہونا) ایک دوسرے کے مثل ہیں ۔

البتہ دور حاضر کے شیعہ مؤلفین میں سے کچھ نے یہ غلط اظہار نظر کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ کو غدیر خم میں صرف خلافت کی ایک فرد کے عنوان سے پہنچوایا تھا ،کہ اگر عوام نے چاہا کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد ان کو خلیفہ منتخب کریں اس وقت خلیفہ ہیں ، حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ عوام نے حضرت علیؑ کی حکومت کو قبول نہیں کیا لہذا پیغمبر ﷺ کے بعد حکومت کے شرعی جواز کا معیار صرف عوام کا قبول کرنا ہے ۔

جس صراحت کے ساتھ آیت میں ہے (يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ .....) نیز وہ روایات کہ جو آیۂ (اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ) کی تفسیر میں نقل ہوئی ہیں ، نیز غدیر کے دن حضرت علیؑ کی خلافت کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کا اعلان کرنا اور جو دوسری قطعی دلیلیں موجود ہیں ان کو مد نظر رکھتے ہوئے ثابت ہے کہ ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے ،اور اس کا باطل ہونا یقینی ہے ۔

ب) وہ زمانہ کہ جب امام معصوم ٢٢٢حاضر نہیں ہیں اور پردہ غیب میں ہیں اگر چہ یہ نہ کہہ سکیں کہ شیعوں کا اتفاق و اجماع ہے ، لیکن یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ اکثر شیعہ فقہا کا متفق علیہ نظریہ ہے کہ غیبت امام زمانہ میں بھی پیغمبر اکرم ﷺ آئمہ معصومؑ کے زمانے کی طرح

[1] نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ ٣ ۔

حکومت کا شرعی جواز خداوند عالم کی طرف سے ہے، نیز حکومت کا تحقق اور بقا، عوام اور معاشرے کے قبول کرنے پر منحصر ہے ۔ موجودہ زمانے کے شیعہ فقہا میں سے بعض کے علاوہ سبھی معتقد ہیں کہ امام زمانہ (عج) کی غیبت میں حاکم شرع، فقیہ جامع الشرائط ہے، اس توقیع شریف کی بنا پر کہ جو امام زمانہ (عج) سے نقل ہوئی ہے جس سے ثابت ہے کہ امام زمانہ (عج) نے فقہا کو بصورت عام منصوب کیا ہے ۔ اور دوسری دلیلیں بھی اس سلسلہ میں موجود ہیں فقہا میں سے جن کے نظریات ہمارے سامنے موجود ہے وہ سب اس مطلب پر متفق ہیں، البتہ معاصر فقہا میں سے ایک دو کے علاوہ انھوں نے بھی احتمال کی صورت میں بیان کیا ہے کہ شاید یہ کہا جا سکے کہ غیبت امام زمانہ (عج) میں اسلامی حکومت کا شرعی جواز عوام کی طرف سے ہے یعنی جو چیز فقیہ کی حکومت کو شرعی جواز عطا کرتی ہے اور اس کو اقتدار کا حق دیتی ہے وہ عوام کا ووٹ ہے اگر عوام ووٹ نہ دیں ان کی حکومت شرعی نہیں ہوسکتی، نہ صرف یہ کہ فقیہ کی حکومت کا استقرار،بلکہ اس کی حکومت کا شرعی جواز بھی عوام کے قبول کرنے اور بیعت کرنے پر منحصر ہے ۔ اس بات پر بھی توجہ ضروری ہے کہ فقہا کا مشہور اور متفق علیہ نظریہ یہ ہے کہ فقیہ کو بصورت عام امام زمانہ (عج)نے منصوب کیا ہے، لہٰذا امام ؑکی غیبت کے زمانہ میں ان کو حکومت کا شرعی جواز حاصل ہے مطلب یہ ہے کہ امام زمانہؑ (عج)نے کسی خاص شخص یا فقیہ کو معین نہیں کیاہے کہ وہ شخص حاکم ہے،بلکہ کچھ صفات بیان کئے ہیں کہ یہ صفات جس فقیہ میں بھی پائے جائیں وہ حکومت کے اجرا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔

لیکن جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے اور گزشتہ زمانے میں بھی تھا، کہ دسیوں یا اس سے بھی زیادہ فقیہ موجود تھے امامؑ نے جو نصب عام کے ذریعہ فقیہ کو منصوب کیا ہے اس کے مطابق جو کوئی فقیہ جامع الشرائط حکومت کی باگ ڈور سنبھال سکے اس کی حکومت قانونی اور شرعی ہے ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے ؟اس لئے کہ واضح ہے، کہ اگر ایک حکومت کے چلانے والے کئی افراد ہوں اور ان میں کا ہر ایک مستقل طور پر عہدے کو سنبھال لے ایسی صورت میں ہرج مرج لازم آئے گا، لہٰذا ضروری ہے کہ فقہا میں سے ایک کو منتخب کیا جائے، لیکن سوال یہ ہے کہ ولی فقیہ منتخب کرنے کا حق کس کو حاصل ہے ؟

اس مقام پر کچھ لوگوں نے اپنے نظریہ کا اس طرح اظہار کیا ہے کہ ولی فقیہ کے انتخاب کرنے کا حق عوام کو حاصل ہے ،یعنی غیبت امام زمانہ (عج) میں حکومت کے سلسلہ میں،عوام کا کردار،امام ؑکے زمانے سے زیادہ ہے،امام ؑکے حضور کے زمانے میں حکومت اسلامی کا شرعی جواز اور امام ؑکا معین کرنا بھی خدا کی طرف سے ہے اور صرف حکومت کا وجود عوام کے قبول کرنے پر منحصر ہے ،لیکن امام زمانہ (عج) کی غیبت کے زمانے میں ان تین مراحل میں سے دو مرحلوں میں عوام کے انتخاب پر منحصر ہے ،یعنی فقیہ کی حکومت کا شرعی جواز خدا کی طرف سے ہے اور عوام کے قبول کرنے یا نہ کرنے سے مربوط نہیں ہے، لیکن شخص اور اس کے مصداق کا معین کرنا اور حکومت کا محقق کرنا عوام کی رائے پر منحصر ہے ۔

اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ امام زمانہ (عج) کی غیبت کے زمانے میں اسلامی حکومت میں عوام کے کردار کے سلسلہ میں، تین نظریے پائے جاتے ہیں ۔ ا۔پہلا نظریہ یہ ہے کہ فقیہ کی حکومت اور اقتدار کا شرعی جواز خداوند عالم اور امام زمانہ (عج) کی طرف سے ہے اور شخص کا معین ہونا بھی امام زمانہ (عج) کی طرف سے ہونا چاہئے،لیکن حکومت کا تحقق عوام کے قبول کرنے پر منحصر ہے ۔

٢۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ غیبت امام زمانہ (عج) میں ولی فقیہ کی حکومت کا شرعی جواز خدا وند عالم اور امام زمانہ (عج) کی طرف سے ہے، لیکن شخص کا معین کرنا ،اور حکومت کا تحقق عوام کے انتخاب سے مربوط ہے .

٣۔ تیسرا نظریہ، جو ایک احتمال کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے وہ یہ کہ غیبت امام زمانہ(عج) میں ، فقیہ کی حکومت کا شرعی جواز اور حکومت کا تحقق عوام کے قبول کرنے پر منحصر ہے ۔اب ہم کو بحث و تحقیق کرنا ہے کہ ان تین نظریات میں سے کون سا نظریہ اسلام کے بتائے ہوئے اصول سے مطابقت رکھتا ہے ۔ البتہ اس بات پر توجہ ضروری ہے کہ بحث کے اس حصے میں،اور بعد میں بھی ہم شیعہ اور شیعوں کے آئمہ معصومین ٢٢٢کے نظریات کو بیان اور اس کی تحقیق اور بحث کریں گے، لیکن مناسب یہ ہے کہ ذیل میں جو نکتہ ہم بیان کررہے ہیں اس پر بھی توجہ کی جائے اور اس تحقیق کو شروع کرنے سے پہلے دو شرطیں ضروری ہیں

تحقیق شروع کرنے سے پہلے دو شرطیں ضروری ہیں الف) تحقیق سے پہلے اس کا نتیجہ ذہن میں نہ ہواور جو فکر حاکم ہے اس سے محقق کومتاثر نہ ہونا چاہیئے، پہلے سے کسی نتیجہ کی طرف رجحان ہونا ،یا جو فکر ہے اس سے متاثر ہونا ،ایسا خطرہ ہے جو ہر محقق اور تحقیق کے لئے موجود ہے محقق کے رجحانات کی دخالت، تحقیق کے سلسلہ میں ایسا مسئلہ ہے کہ جو علوم نفسیات کی طرف سے ثابت ہو چکا ہے ایسا بہت پیش آیا ہے اور پیش آتا رہتا ہے کہ متعدد عوامل کے ہونے کی وجہ سے محقق کی نظر اسی نتیجہ پر ہوتی ہے جو اس کی نظر میں ہے اور ناخواستہ طریقہ سے دوسرے عوامل کی وجہ سے غافل ہوجاتا ہے اور ان کی طرف متوجہ نہیں رہتا ہے، لہٰذا صحیح تحقیق نہیں ہوپاتی ہے، علم فقہ میں ایسی چیز کو اجتھاد بالرائے کہا جاتا ہے خاص کر یہ مسئلہ اس وقت پیش آتا ہے جب محقق شہرت طلب ہو، یا معاشرے میں اپنا مقام بنا ناچاہتا ہو یا کسی دشمنی کی وجہ سے غلط نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہے، یا معاشرے سے دور ہوکر غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے وغیرہ ۔

ہمارے زمانے میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو محقق کی تحقیق پر اثر انداز ہوسکتی ہیں ۔ جیسے آزادی ڈیموکریسی (آزادی سے مراد اس کا مطلق اور عام مفہوم ہے، کہ جو مغربی دنیا میں رائج ہے نیزوہ ڈیموکریسی جو علوم سیاست کی اصطلاح میں ہے) ان دو اصطلاحوں کا مغربی دنیا میں اتنا مرتبہ بڑھایا گیا اور احترام کیا گیا کہ اگر کوئی ذرہ برابر بھی اس پر تنقید کی نظر سے دیکھے، یا تنقید کرے اس پر حملے شروع ہوجاتے ہیں اور مختلف طرح کی تہمتیں لگائی جانے لگتی ہیں اور کبھی اس کی شخصیت پر بھی ایسا حملہ ہوتا ہے کہ جس کے نتیجہ میں پوری طرح اس کا اعتبار اور حیثیت ختم ہوجاتی ہے ۔

واضح ہے کہ وہ تحقیق جو آزادی اورڈیموکریسی سے مربوط ہے اس میں بہت زیادہ احتمالات پائے جاتے ہیں لہٰذا محقق اس فکر کے نتیجہ میں،کہ جو پہلے سے اس کے ذہن میں ہے جو آزادی اورڈیموکریسی کی ترویج ،اور انتقاد کی وجہ سے ان کا شکار ہوجاتا ہے، آج کے زمانے میں جب کہ آزادی اور ڈیموکریسی (سکولر) مغربی سماج میں بیسویں اور اکیسویں صدی کا خدا سمجھا جاتاہے اور آج کی دنیا میں سب سے زیادہ مقدس بت شمار کیا جاتاہے اس کی مخالفت میں جو بھی کلام کرتاہے اس کے لئے بہت سارے خطرے ہیں، لیکن

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ حقیقی محقق وہی ہے جو امانت داری، سچائی اور شجاعت کے ساتھ جو کچھ اس نے تحقیق سے نتیجہ حاصل کیا ہے، اس کو بیان کرے اور دوسرے مسائل اس کو حقیقت سے منحرف نہ کریں۔

ب)دینی پیشواؤں کے قول و عمل کو دلیل بنانا چاہیئے نہ یہ کہ مسلمانوں کے قول و عمل کو دلیل بنایا جائے ۔بعض لوگ تصور کرتے ہیں کہ اسلام کے نظریات کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں اور اسلامی معاشرے میں جستجو کرنی چاہیئے ،اور ان سے سوال کرنا چاہیئے اور جو کچھ وہ لوگ کہیں ہم بھی کہیں گے کہ اسلام کا یہی نظریہ ہے، جو اکثریت کا ہے، یا یہ قبول کریں گے کہ اسلام کا اس بارے میں دو یا اس سے زیادہ نظریہ ہے اور وہ سب اسلام کا نظریہ ہے ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ نا مناسب اور غلط ہے اگر ایسا ہوکہ کسی دین کے نظریہ کو معلوم کرنے کے لئے اس دین کے ماننے والوں کے افکار کی طرف رجوع کیا جائے، تو اس صورت میں کوئی شک نہیں ہے کہ غلط نتیجہ حاصل ہوگا ،اس کی واضح اور روشن مثال عیسائیت میں ہے، ہم معتقد ہیں کہ وہ دین اور قوانین جو حضرت عیسیٰؑ لے کر آئے تھے اور وہ عقائد جس کے معتقد آج کے زمانے میں عیسائی ہیں ،اور اس پر عمل کرتے ہیں ان دونوں میں بہت زیادہ اور واضح فرق ہے ۔

آج کے زمانے میں عیسائیت وہ ہے جس میں ، طول تاریخ میں بہت سی تحریفیں واقع ہوئی ہیں ہمارا یہ اعتقاد عقلی اور قرآن مجید کی اس پر ہے خدا دوند عالم سورہ بقرہ میں فرماتا ہے’ : وَإِذ قَالَ اللّٰہُ یا عِیسیٰ بُن مَرُیَمَ ءأنُتَ قُلُتَ لِلنّاسِ أتَّخِذُونِی وَ أُمِّيَ اِلٰھَیُنِ مِن دُونِ لّہِ قَالَ سُبُحَانَکَ مَا یَکُونُ لِي أن أقُولَ مَا لَیُسَ لِي بِحَقٍّ[۱] ’’ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب خدا نے حضرت عیسیٰؑ سے فرمایا کہ (کیوں) اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھ کو اور میری ماں کو (یعنی دو خدا) خدا بنالو حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا سبحان اللہ میری تو مجال نہ تھی کہ میں ایسی بات منھ سے نکالوں جس کا مجھے کوئی حق نہ ہو ۔خدا کے بارے میں تثلیث (تین خدا) کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں یہ عیسائیوں کا ایسا عقیدہ ہے کہ جس کو عقل سلیم کسی طرح قبول

---

[۱] مائدہ،۱۱۶۔

نہیں کر سکتی، حالانکہ یہ عیسائیوں کے اصلی اور اساسی عقیدوں میں سے ہے ۔ اسی طرح اسلام کے نظریات معلوم کرنے کے لئے اگر مسلمانوں کے قول و فعل پر اعتماد کیا جائے تو ممکن ہے اسی طرح کی لغزشوں کا شکار ہوجائیں، مثلاً خود ہمارا مسئلہ کہ جو مورد بحث ہے اگر اکثریت کو معیار قرار دیا جائے تو ایسی صورت میں جب کہ مسلمانوں کی اکثریت اہل سنت ہیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ پیغمبر کے بعد اصلاً کوئی معصوم نہیں ہے، لہذا یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ لوگ قبول کریں کہ پیغمبر اکرم کے بعد بارہ امام معصوم ہیں، حالانکہ ہم شیعوں کا نظریہ اہل سنت کے نظریہ کے بر خلاف ہے اور ایسا ممکن نہیں ہے کہ ہم اہل سنت کے نظریہ کو حقیقی اور واقعی مان لیں اور اپنے نظریہ کو بھی اسلام کے مطابق سمجھیں، بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام کا حقیقی اور واقعی نظریہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد بارہ امام معصوم ہیں جن کی حکومت و اقتدار کو شرعی جواز حاصل ہے ۔

اس بنا پر اسلام کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے اس نظریہ کو حاصل نہ کریں بلکہ قرآن مجید اور دین کے پیشوا اور وہ کتابیں جو معتبر ہیں اور ان میں دینی پیشوا کے قول و فعل سند کے ساتھ نقل ہوئے ہیں، ان کے ذریعہ اسلام کا نظریہ معلوم کریں، اور یہ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے کہ اس تحقیق میں، اور جو بھی اس کے مشابہ تحقیق ہو ان میں لحاظ کیا جانا ضروری ہے ۔

غیبت امام علیہ السلام میں اسلامی حکومت کے لئے عوام کا کردار

اس کی صحیح تحقیق کے لئے جو دو نکتے ہم نے ذکر کئے ہیں ان پر توجہ رکھتے ہوئے اب ہم ان تین نظریات کی تحقیق کریں گے، جو غیبت امام (عج) میں اسلامی حکومت کے لئے عوام کے کردار کے سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں ۔ ہمارے عقیدے کے لحاظ سے تین نظریات جو ہم نے ذکر کئے، ان میں صحیح نظریہ وہی ہے جو ہم نے سب سے پہلے ذکر کیا ہے ہم معتقد ہیں کہ ولی فقیہ کی حکومت کا شرعی جواز خدا وند عالم اور امام زمانہ (عج) کی طرف سے ہے اور اسی طرح شخص کا معین کرنا بھی امام زمانہ (عج) کی طرف منسوب ہونا چاہیئے، اور اس کو امام کی طرف سے اجازت ہونی چاہیئے، لیکن حکومت کا محقق ہونا، یا اس کا استقرار، عوام کے قبول کرنے پر منحصر ہے، اس دعویٰ پر ہماری دلیل یہ ہے، کہ اسلامی نکتہ نظر سے ہم معتقد ہیں کہ تمام موجودات اور پوری کائنات منجملہ انسان

کو خدا وند عالم نے خلق کیا ہے،کہ جس نے وجود کا لباس تمام موجودات کو پہنا کر ان کو ہستی عطا کی اور آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب خدا کی طرف سے ہے اور وہی تمام موجودات کا حقیقی مالک ہے ۔ '' وَ إِنَ للّٰہِ ما فِی السَّمٰواتِ وَ ما فِی الْأرْضِ[1] '' ''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ خدا ہی کا ہے'' اسلامی نظریہ کے مطابق تمام انسان خدا کے بندے اور اس کی ملکیت ہیں اور یہ بھی نہیں کہ یہ ملکیت اعتباری اور قراردادی اور جعل و اعتبار کی وجہ سے ہوں،بلکہ ملکیت حقیقی ہے ؛یعنی حقیقت میں ہمارے وجود کا ایک جزء بھی ہمارا نہیں ہے ہمارا تمام وجود خدا کی ملکیت ہے اور کوئی بھی چیز یہاں تک کہ ایک ذرہ بھی ہمارا خلق کیا ہوا نہیں ہے ۔ دوسری طرف پر انسان کی عقل یہ درک کرتی ہے کہ دوسروں کی ملکیت میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور یہ فعل غیر پسندیدہ اور غلط ہے،اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ہماری ملکیت ہو (جیسے گھر، گاڑی، جوتا ، کپڑا وغیرہ) اور کوئی شخص ہماری رضایت کے بغیر اس میں تصرف کرے، اس وقت ہم کو تکلیف ہوتی ہے، ہم ناراض ہوجاتے ہیں اور چیخنے چلانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر ظلم ہوا ہے، یہ فیصلہ جو ہم کرتے ہیں اس قاعدہ کلی کی بنیاد پر ہے کہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ بغیر اجازت کے دوسروں کی ملکیت میں تصرف کرنا ناپسندیدہ اور غلط ہے اس بنا پر ایک طرف جب کہ تمام عالم منجملہ تمام انسان خدا وند عالم کی حقیقی ملکیت ہیں اور انسانوں کا پورا وجود ،اور وجود کے تمام ذرے خود انسان کی ملکیت نہیں ہیں ،اور ہماری حقیقی ملکیت کچھ بھی نہیں ہے اور دوسری طرف عقل یہ تصدیق کرتی ہے کہ دوسروں کی ملکیت میں تصرف کرنا نا پسندیدہ ،غلط اور ظلم ہے لہٰذا کسی انسان کو خدا کی اجازت کے بغیر اپنے اور دوسروں کے حقوق میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے اور واضح ہے کہ حکومت کا لازمہ یہ ہے کہ دوسروں پر تصرف کیا جائے، مثلاً مجرم کو پکڑا جائے، ان کو قید کیا جائے، جرمانہ لگا یا جائے پھانسی کی سزا دی جائے، عوام سے ٹیکس لیا جائے، خلاصہ یہ کہ بہت سارے تصرفات ہوتے ہیں اور معاشرے کے لوگوں کے لئے زندگی گزارنے میں حکومت کی طرف سے کچھ حدود معین کئے جاتے ہیں ،لہٰذا حاکم کو ان میں تصرفات کرنے کے لئے

[1] نساء ،١٣١

انسانوں کے حقیقی مالک یعنی خدا وند عالم کی طرف سے اجازت ہونی چاہیئے، ورنہ عقل کے حکم کے مطابق یہ تمام تصرفات غلط، ظلم اور غصب شدہ ہوجائیں گے ،وہ دلیلیں جو ہمارے پاس ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا وند عالم نے ان تصرفات کی اجازت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور ان کے بعد آئمہ معصومین علیہم السلام کو عطا کئے ہیں ۔ "اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ[1]" (نبی تو مومنین پر خود ان کی جانوں سے بڑھ کر حق رکھتے ہیں) "أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ[2]" " اے ایمانداروں خدا کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبان امر ہوں ان کی اطاعت کرو " اسی طرح وہ دلیلیں بھی ہیں جو غیبت امام زمانہ (عج) میں ولایت فقیہ کو ثابت کرنے کے لئے ہیں کہ غیبت امام زمانہ (عج) میں تصرفات کا یہ حق خدا وند عالم اور امام زمانہ کی طرف سے فقیہ جامع الشرائط کو عطا کئے گئے ہیں۔

لیکن اس کے بر خلاف ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ حق کسی اور کو، منجملہ معاشرے کے عوام کو یا مسلمانوں کو دیاگیا ہو، البتہ یہ حکومت کے لئے منصوب ہونا نصب عام ہے یعنی کسی خاص شخص کو امامؑ نے معین نہیں کیا ہے، بلکہ کچھ صفات بیان ہوئے ہیں کہ جس شخص میں پائے جائیں اور حکومت کرنے کی اس کے اندر صلاحیت پائی جائے اس پر صدق کرتا ہے لیکن چونکہ یہ واضح اور روشن ہے کہ ایک حکومت کے لئے متعدد حاکم مستقل طور پر ہونا صحیح نہیں ہے اور اگر متعدد مستقل حاکم ہونگے پھر ایک حکومت نہیں ہوسکتی لہٰذا ضروری ہے کہ حکومت کے لئے فقیہ جامع الشرائط میں سے ایک شخص منتخب ہو، لیکن یہ انتخاب ،در حقیقت اسی طرح ہے کہ جیسے چاند دیکھ کر ہمارے لئے مہینے کی پہلی تاریخ ثابت ہوجاتی ہے یا جس طرح ہم مرجع تقلید کو معین کرتے ہیں۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم رمضان میں روزہ رکھیں لیکن یہ جاننے کے لئے کہ ماہ رمضان شروع ہوا ہے یا نہیں؟ ضروری ہے کہ دیکھیں، آیا ماہ رمضان کا چاند ہوا ہے یا نہیں اگر رویت ہلال ثابت ہوجائے، اس وقت کشف کرتے ہیں کہ ماہ رمضان شروع ہوگیا ہے اور واجب ہے کہ روزہ رکھیں ،اس مقام پر ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ہم ماہ

[1] احزاب ،۶
[2] نساء،۵۹۔

رمضان کو شرعی جواز عطا کرتے ہیں ؛ بلکہ ہم خارج میں یہ دیکھتے ہیں کہ آیا رمضان کی پہلی شب کا چاند واقعاً نمودار ہوا ہے یا نہیں، اگر چاند نمودار ہوا ہے ماہ رمضان شروع ہوگیا ہے اور اگر چاند نہیں ہوا ہے تو ماہ رمضان شروع نہیں ہوا ہے ۔ یہاں پر جو ہماری ذمہ داری ہے وہ صرف یہی ہے کہ کشف کریں کہ آیا چاند نمودار ہوا ہے یا نہیں ؟ یاتقلید کے مسئلہ میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہر مسلمان، جو احکام شرعی کو کشف اور استنباط نہیں کرسکتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس شخص کی تقلید کرے جو اس علم میں متخصص اور مجتہد ہو، اس مسئلہ میں بھی جب کوئی اپنا مرجع تقلید معین کرتا ہے ایسا ہر گز نہیں ہے کہ وہ اس کے مرجع تقلید ہونے کا شرعی جواز عطا کرتا ہے اور اس کو مجتہد قرار دیتا ہے، بلکہ ہماری تحقیق اور تلاش سے پہلے ہی وہ واقعاً مجتہد رہتا ہے، یا مجتہد نہیں رہتا یعنی اس کے اندر مرجع تقلید ہونے کی صلاحیت رہتی ہے یا نہیں رہتی ہے، ہم جو تحقیق کرتے ہیں اس میں صرف یہ کشف کرنا چاہتے ہیں کہ آیا اس کے اندر یہ صلاحیت ہے یا نہیں؟ لہٰذا ہمارا کام اس صلاحیت کا ایجاد کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف ان صلاحیتوں کا کشف کرنا ہے ۔ ولی فقیہ کے مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہے یعنی خدا وند عالم اور امام زمانہ (عج) کی طرف سے نصب عام کی وجہ سے فقیہ کو حکومت کا حق ہے اور وہ شرعی جواز بھی رکھتا ہے ۔ اس مسئلہ میں ہمارا صرف یہ کام ہے کہ (حکومت کا یہ حق جو واقعاً عالم خارج میں ہماری تحقیق اور تلاش سے پہلے موجود ہے) اس کو کشف کریں ۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رہبر کو منتخب کرنے والی کمیٹی کہ جس کو عوام منتخب کرتے ہیں اور یہ کمیٹی رہبر کو معین کرتی ہے، اس کی حقیقت اور ماہیت یہی ہے کہ وہ شرائط کو کشف کرکے اس شخص کو، کہ جس کے اندر صلاحیت اور شرعی جواز ہوتا ہے، رہبر منتخب کرتے ہیں، اس بنا پر اصل ولی فقیہ کا شرعی جواز اور رہبر کو منتخب کرنا امام زمانہ (عج) کی طرف منسوب ہوتا ہے، البتہ یہ کشف اس معنی میں نہیں، کہ یہ شخص خاص طور سے امام زمانہ (عج) کا مورد نظر تھا، بلکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے جس طرح مرجع تقلید کا تھا، اس مورد میں بھی کوئی خاص شخص تقلید کے لئے معین نہیں ہے، بلکہ خاص صفات بیان ہوئے ہیں، اور جس کے اندر یہ صفات پائے جائیں اس کی مرجعیت مورد قبول اور خدا وند عالم اورامام زمانہ کی رضایت کے مطابق ہے ۔

اب تک جو بحث ذکر ہوئی اس سے معلوم ہوگیا کہ امام زمانہ (عج) کی غیبت کے زمانے میں بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام معصومؑ کے زمانے کی طرح فقیہ کی حکومت کے شرعی جواز یا شخص کو معین کرنے میں عوام کا کوئی کردار نہیں ہے لیکن فقیہ کی حکومت محقق ہونے کے لئے عوام کی مقبولیت پر منحصر ہے یعنی عوام اور مسلمان ہیں کہ جن کو حکومت کے محقق ہونے اور اس کی بقاء کے لئے راستہ ہموار کرنا ہوگا اوراگر عوام نہ چاہے تو اسلامی حکومت وجود میں نہیں آسکتی ہے فقیہ کبھی بھی حکومت کو وجود میں لانے کے لئے طاقت کا سہارا نہیں لیتاہے، بلکہ پیغمبروں اور آئمہ معصومین ؑ کی طرح صرف اسی وقت حکومت تشکیل دیتا ہے جب عوام اس حکومت کے لئے اپنے رجحان کا اظہار کریں ،تمام احکامات الہی کی طرح اس مورد میں بھی خود عوام اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ اگر چاہیں اس کو قبول کریں اور اطاعت کریں اور عوام کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس کو قبول نہ کریں اور نافرمانی کریں ۔

البتہ طول تاریخ میں عوام نے قبول کیا ہے اور وہ مکلف تھے کہ الہی حکومت اور پیغمبروں اورآئمہؑ کی حکومت کو اور ان کے اقتدار و حکومت کو قانون سمجھ کر قبول کریں اور اگر انھوں نے قبول نہیں کیاایسی صورت میں خداوند عالم کی بارگاہ میں انھوں نے گناہ کیا ہےاور اس کی سزا انھیں ضرور ملے گی۔

دوسرے دو نظریوں کی تحقیق اور ان پر تنقید

وہ لوگ جو معتقد ہیں کہ غیبت امام زمانہ (عج) میں اسلامی حکومت اور فقیہ کی حکومت کے شرعی جواز یا اس کے مصداق کو معین کرنے میں عوام کا کردار شامل ہے وہ مطالب جو انھوں نے پیش کئے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ اسلام میں غیبت امام زمانہ (عج) میں حکومت کے لئے کوئی قانون یا حکمت بیان نہیں ہوا ہے، بلکہ یہ ان موارد میں سے ہے کہ عوام کے ذمہ چھوڑ دیاگیا ہے ،اس بات کی وضاحت کے لئے ہم اس مطلب کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ احکام اسلامی میں ایسے بہت سے موارد ہیں کہ جن کا حکم شارع کی طرف سے بیان ہوا ہے اور احکام پنجگانہ (وجوب، حرمت ،استحباب، کراہت، اباحہ) میں سے ایک حکم اس سے مخصوص ہے لیکن ایسے بھی موارد ہیں کہ جن کا حکم شارع کی طرف سے ہم تک نہیں پہونچاہے اور اس سلسلہ میں

آیت وروایت بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہے ایسے موارد میں فقھا کچھ خاص اصول و قواعد کے ذریعہ کہتے ہیں کہ جن چیزوں کا حکم خدا وند عالم کی طرف سے ہم تک نہیں پہونچا ہے اور اس بارے میں امر و نہی موجود نہیں ہے وہ سب مباح ہیں ۔ یعنی اس کا انجام دینا یا ترک کرنا دونوں مساوی ہیں،اور اس کے ترک یا انجام میں کوئی رجحان نہیں پایا جاتا ہے،اور جیسا تم چاہو ویسے انجام دو، غیبت امام زمانہ (عج) میں فقیہ کی حکومت کے بارے میں بھی کچھ لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ چونکہ خداوند عالم کی طرف سے قرآن مجید میں اس سلسلہ میں کوئی خاص امر ونہی، نہیں کی ہے اور آیت ''اَطِیْعُوا اللّٰہ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُولَ وَ اُوْلِی الْأمرِ مِنْکُمْ ''میں جو لفظ اولی الامر آیا ہے،اس آیت سے مراد بارہ امام معصوم ہیں لہٰذا غیبت امام زمانہ (عج) میں حکومت کا مسئلہ ایسا ہے کہ جس کے بارے میں شارع نے سکوت اختیار کیا ہے اور کچھ نہیں فرمایا ہے لہٰذا اس کے حکم کو عوام کے ارادہ و اختیار پر چھوڑ دیا ہے ۔

یا کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فقہی اس قاعدہ کے مطابق کہ ''اَلنَّاسُ مُسَلَّطُوْنَ عَلیٰ اَمْوَالِھِمْ'' ''عوام کو اپنی ملکیوں پر اختیار ہے'' عوام اپنے جان ومال پر مسلط ہیں اور اس پر ان کا حق ہے لہٰذاوہ اس حق کو دوسرے کے حوالے کر سکتے ہیں یا ان موارد میں دوسرے کو وکالت دے سکتے ہیں[1]۔اس بنیاد پر غیبت امام زمانہ (عج) میں عوام کو حق حاصل ہے کہ خود حاکم معین کریں ۔ الیکشن کا ہونا بھی واقع میں یہی معنی رکھتا ہے کہ عوام کو اپنے جان ومال میں جو تصرف کا حق ہے وہ دوسرے کو دیتے ہیں۔ ان دواستدلال کی نقد میں ہم کہتے ہیں کہ پہلی بات جو انھوں نے ذکر کی ہے کہ عوام اپنے جان ومال پر مسلط ہیں اور ان کو حق ہے کہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں، ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کس نے کہا ہے کہ اسلام کا یہ نظریہ ہے اور عوام کو ایسا حق حاصل ہے، بلکہ اس کے بر خلاف تمام مسلمان یہ جانتے ہیں کہ انسان کو حق نہیں ہے کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں ہم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی آنکھیں پھوڑ لیں، اپنے ہاتھ کاٹ ڈالیں،اپنے بدن کے اعضاء وجوارح کو جلا ڈالیں، اپنے اموال میں بھی ہم کو ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل نہیں ہے ۔ مثلاً ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ یہ گاڑی یا گھر ہماری ملکیت ہے میرا دل چاہتا ہے کہ

---

[1] یہاں پر جو حق کو دینے کی بات کہی گئی ہے اگر کوئی اپنا حق کسی کو دے پھر اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے لیکن اگر دوسرے کو وکیل بنائے جب چاہے اس کو فسخ کرسکتا ہے سیاسی طرز تفکر میں عوام کے ووٹ اور اس کی ماہیت کی بحث میں دو نوں نظریہ ذکر ہوئے ہیں ۔

اس کو آگ لگا کر جلادوں، اسلام میں خود کشی کیوں حرام ہے ؟ یہ اسی بنیاد پر ہے کہ انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس طرح اس کا دل چاہے اپنے وجود میں تصرف کرے ، اسلامی نقطہ نظرسے جیسا کہ پہلے بھی ہم نے ثابت کردیا ہے کہ ہم سب خدا کے بندے اور اس کی ملکیت ہیں اور جب ہمارا پورا وجود اس کی ملکیت ہے توبغیر اس کی اجازت کے کسی طرح کا تصرف کرنے کا حق ہم کو حاصل نہیں ہے، پس جب ہم کو اپنے نفس میں بھی تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے پھر ہم کس طرح یہ حق کسی دوسرے کو دے سکتے ہیں کہ وہ معاشرے کے جان ومال اور اس سے مربوط امور میں دخالت اور تصرف کرے ؟

یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنے اوپر قانون کے وضع اور اجرای کے لئے جوکہ حکومت کا لازمہ ہے ،دوسروں کے حوالے کردیں ،حالانکہ اصولی طور پر شریعت میں جو احکام خدا وند عالم کی طرف سے ہیں اس معنی میں ہیں کہ ہم خود اپنے بارے میں حکم معین ہونے کے لئے مالک حقیقی کے تابع ہیں اور ہمیں چاہیئے کہ اس کے ارادہ کے مطابق عمل کریں ۔

یہ ولایت کہ جس کی نسبت فقیہ کی طرف دی جاتی ہے اس کو خدا وند عالم نے فقیہ کے لئے معین کیا ہے اور امام زمانہ (عج) نے بیان کیا ہے ایسا ہر گز نہیں ہے کہ فقیہ کو عوام نے ولایت دی ہو ،اگر اس آیت کی بنیاد پر (اَلنَّاسُ مُسَلَّطُوْنَ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ) عوام کو حق ہے کہ جس کو چاہیں ولایت اوراقتدار کا حق دیدیں اور اس کو شرعی جواز عطا کریں ایسی صورت میں ہم سوال کریں گے، اگر ایسا زمانہ آجائے جس میں عوام اصلاً ولایت اور فقیہ کی حکومت کو قبول نہ کریں اور ایسے شخص کو ووٹ دے دیں جو فقیہ نہیں ہے، مثلاً ایک ڈاکٹر یا انجینیر کو حکومت کی مسند پر بیٹھادیں، کیا اس کی یہ حکومت خدااور رسول کی طرف سے شرعی جواز رکھتی ہے ؟ اگر واقعاً عوام کاووٹ کسی حکومت کو شرعی جواز عطا کرے ،فرض کریں کہ عوام یزید وہارون الرشید ورضا خان پہلوی جیسے لوگوں کوووٹ دے دیں توکیا یہ حکومت خدا ورسول کی طرف سے برحق اور شرعی جواز رکھتی ہے؟ہم ان لوگوں سے سوال کریں گے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عوام کا ووٹ حکومت کو شرعی جواز دیتا ہے اگر ایک زمانہ ایسا آجائے جب عوام ووٹ دیدیں کہ ہم اس موجودہ حکومت کو،کہ جس کا محور ولایت ہے قبول نہیں کرتے ہیں، اس وقت آپ کی کیا برخورد ہوگی ؟کیا آپ یہ کہیں گے کہ اسلام کا نظریہ یہی

ہے ؟آیا وہ لوگ کہ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم امام خمینی (رضوان اللہ) کے راستے پر چل رہے ہیں یا انھوں نے واقعاً نہیں سمجھا یا جان بوجھ کر، یا کسی دشمنی کی بناپر امام خمینیؒ کے اس کلام سے (میزان او رمعیار ملت کا ووٹ ہے) سوء استعفادہ کرکے معتقد ہو گئے ہیں کہ اگر عوام نے یہ ووٹ دے دیا کہ ہم کو ولی فقیہ کی حکومت قبول نہیں ہے اور ملک کے اساسی قانون میں ولایت فقیہ کو قبول نہیں کرتے ہیں تو کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ عوام کا ووٹ معیار ہے اور اسلام کا وہی نظریہ ہے جو عوام نے ووٹ دیا ہے، لیکن وہ قبول کریں گے کہ جو امام خمینیؒ کے متعدد بیانات سے استعفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ولایت فقیہ ایسی اصل ہے کہ جس میں کوئی خدشہ و ارد نہیں کرسکتا ،اسی وجہ ولایت فقیہ ملک کے ان اساسی اوربنیادی قوانین میں سے ہے جس کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے ۔

لیکن دوسرا استدلال جس میں کہا گیا ہے، چونکہ غیبت امام زمانہ میں حکومت کے مسئلہ میں خداوند عالم جو صاحب شریعت ہے اس کی طرف سے کوئی حکم صادر نہیں ہوا ہے، لہٰذا حکومت ان امور میں سے ہے کہ جس کا اختیار خود انسان کو دیا گیا ہے، آیندہ فصل میں جب ہم ولایت فقیہ کے اثبات کی دلیلیں پیش کریں گے واضح ہوجائے گا کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے بر خلاف جو دلیلیں ہمارے پاس ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیبت امام زمانہ (عج) میں حکومت کے مسئلہ میں صاحب شریعت نے، ہماری ذمہ داری کو مشخص اور واضح کردیا ہے بعض لوگوں نے کوشش کی ہے کہ صدر اسلام میں جو بیعت ہوتی تھی، اس سے یہ نتیجہ نکالیں کہ اسلامی حاکم کا شرعی جواز عوام کے ووٹ اور انتخاب سے حاصل ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ حضرت علیؑ کی بیعت کریں ۔ اگر حضرت علیؑ کی حکومت کے شرعی جواز میں عوام کا کوئی کردار نہیں تھا ، تو آنحضرت نے بیعت کے لئے اتنا اصرار کیوں کیا ؟ لیکن اگر ہم تھوڑی سی تحقیق کریں کہ صدر اسلام اور عربوں کے درمیان بیعت کا کیا مقام تھا اور اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیانات، نیز یہ آیت ۔ ''یا اَیُّھا الرَّسُول بَلِّغ مَا أُنزِلَ إِلَیکَ مِن رَّبِّکَ '' غدیر خم میں نازل ہوئی، ان سب کو مد نظر رکھیں تو بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ حقیقت میں بیعت ایک عہد وپیمان تھا ، کہ بیعت کرنے والوں نے جس کی بیعت کی ہے ، اس کی اطاعت و فرما برداری ؛ یعنی یہ بیعت کرنے والوں کی طرف سے اعلان تھا کہ وہ سردار یا حاکم کی اطاعت کریں گے

اور اس کا ساتھ دیں گے، اور یہ مسئلہ اس سے الگ ہے کہ کسی شخص کو حکومت کا شرعی جواز دیا جائے، بیعت کی صرف حقیقت یہ ہے کہ بیعت کرنے والے نے حقیقی اور شرعی جواز رکھنے والے حاکم کی اطاعت کو قبول کرلیا ہے۔ نہ یہ کہ حکومت کا شرعی جواز بیعت کرنے سے ایجاد ہوتا ہے۔ اس بحث میں جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کا صحیح معیار یہ ہے کہ ولی فقیہ کی حکومت کا شرعی جواز اور اس کا منصوب ہونا امام زمانہ (عج) کی طرف سے نصب عام ہے اور حکومت کے وجود کے محقق ہونے کیلئے عوام کا صد در صد کردار شامل ہے اور یہ اسی کے شبیہ ہے کہ جو ہم نے پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم و ائمہ معصومینؑ کی حکومت میں عوام کا کردار بیان کیا ہے۔

چوتھی فصل

اثبات ولایت فقیہ

قبل اس سے کہ ولایت فقیہ کے اثبات کے لئے دلیلوں کوبیان کریں مناسب ہے کہ مفہوم ولایت فقیہ کے بارے میں توضیح پیش کریں تا کہ اگر کوئی بات مبہم رہ گئی ہو تو برطرف ہوجائے اورادلہ ولایت فقیہ پر واضح طریقے سے بحث اور تحقیق کر سکیں۔

ولایت تکوینی اورولایت تشریعی

واضح رہے کہ ولایت فقیہ سے مراد ولایت تکوینی نہیں،بلکہ جو ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ فقیہ کی ولایت تشریعی ہے ۔ ولایت تکوینی کا معنی، عالم وجود اور اس کے قوانین میں تصرف کے ہیں یہ بنیادی طور پر خدا وند عالم سے مربوط ہے جو اس دنیا اور اس پر حاکم قوانین کا خالق ہے۔ کبھی خدا وند عالم اس ولایت کا تھوڑا سا حصہ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے لہٰذا وہ بندہ دنیا کے موجودات میں تصرف کر سکتا ہے، معجزات اور کرامات جو انبیاء سے صادر ہوتے ہیں وہ اسی سے مربوط ہیں، ہم شیعوں کے عقیدے کے مطابق خدا وند عالم نے اپنے بندوں میں ولایت تکوینی کا سب سے زیادہ حصہ پیغمبر اکرم ﷺ اور آئمہ معصومین کو عطا کیا ہے، بہر حال ولایت فقیہ کی بحث میں، خلقت اور اس کے قوانین میں تصرف کے بارے میں ہماری بحث نہیں ہے، اگر چہ ممکن ہے کسی فقیہ میں یہ صفات اور کرامات پائے جائیں ۔

وہ مسائل جو معاشرے کو ادارہ کرنے سے مربوط ہیں وہ پیغمبروں اور آئمۂ معصومین،اورفقیہ کے لئے بھی پائے جاتے ہیں،کہ جو ان کی ولایت تشریعی سے مربوط ہیں،یعنی وہی چیزیں مراد ہیں جن کی طرف آیات میں جیسے ''النبيّ اولی بالمؤمنین من انفسھم ''یا روایات میں جیسے (من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ) میں اشارہ ہوا ہے ۔ولایت تشریعی: یعنی قانونی ولایت ؛ یعنی شخص کو حق حاصل ہو کہ قوانین کو جعل و وضع اور ان کو اجراء کرے ،اور معاشرے میں موجود افراد کی زندگی میں تصرف کر سکے اور عوام کے لئے بھی

ضروری ہو کہ ان قوانین کو قبول کریں اور ان کی رعایت کریں (النبیّ اولی بالمؤمنین من انفسھم)کا معنی یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اگر کسی مسلمان شخص یا اسلامی معاشرے کے لئے کوئی حکم دیں تو اس کو انجام دینا ضروری ہے اور معاشرے کے افراد اجتماعی یا شخصی مسائل میں جو قصد و ارادہ کریں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصد و ارادہ ان پر مقدم ہے ۔ دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ معاشرے کو ایک ایسی قدرت کی ضرورت ہے جس کو حق حاصل ہو کہ جو وہ حکم دے اس پر عمل کیا جائے اور اس آیت میں خداوند عالم نے اس مرکزی قدرت کو مشخص و معین کیا ہے لہٰذا ولایت فقیہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ دیوانوں اور سفہا کی ذمہ داری سنبھالے بلکہ اسے قانون کے اجراء کرنے کا حق حاصل ہونے کے قائل ہوتے ہیں لہٰذا اس کا حکم اورارادہ دوسروں کے حکم اور ارادہ پر مقدم ہے اور جیسا کہ حق اور تکلیف ایک دوسرے کے ملازم ہیں، جب ہم فقیہ کے لئے ایسے حق کو ثابت کرتے ہیں لہٰذا دوسروں پر ضروری ہے کہ اس حق کی رعایت کریں اور اس کے حکم و قوانین اور ارادے کے مطابق عمل کریں (النبیّ اولی بالمؤمنین من انفسھم) اس آیت کو دلیل قرار دے کر ہم کہتے ہیں کہ اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو حکم دیں کہ میدان جنگ میں جاؤ اگر چہ وہ جانا نہ چاہتا ہو، پھر بھی اس پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واجب ہے یا یہ کہ ایک شخص خمس زکوٰۃ دیتا ہو اور شرعی احکام کے مطابق اس پر کوئی مالی حق واجب نہ ہو ،لیکن اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو حکم دیں کہ جنگ کی ضرورت کے تحت اتنے پیسے دینے ہوں گے تو اس پر واجب ہے کہ ان پیسوں کو دے اور اس کو اعتراض کا حق نہیں ہے ۔

مرحوم امام خمینیؒ اپنے درس میں اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اسلامی حکومت کا حاکم مجھے حکم دے کہ اپنی عبا دے دو مجھ پر واجب ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کروں ، جب ولی فقیہ نے یہ مشخص کر دیا کہ اسلامی معاشرے کی مصلحت اسی میں ہے اور ولی فقیہ کو میری عبا کی ضرورت ہے اور یہ حکم دے کہ اپنی عبا دیدو ، مجھ پر واجب ہے کہ اطاعت کروں اور اپنی عبا دیدوں ۔ یہ ولایت فقیہ کا حقیقی معنی ہے کہ آج ہمارے اسلامی معاشرے میں رائج ہے اور ابھی تک اس میں شک وشبہ نہیں کیا گیا ہے عورت، مرد ،بوڑھے، جوان، شہری، دیہاتی سب اس مطلب کو جانتے ہیں اور سبھی نے قبول کیا ہے ، اس بارے میں بہت سے شواہد موجود ہیں،ان میں

سے ایک جو سب سے زیادہ معروف اور مشہور ہے وہ حرمت تمباکو کا مسئلہ ہے کہ جو میرزائے شیرازی نے فتوی دیا تھا ۔اس زمانے میں بھی جو شیعہ حضرات تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ علماء اور مجتہدین امام زمانہ (عج) کے جانشین ہیں اگر امام زمانہ (عج) کا جانشین کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت ضروری ہے جس وقت مرحوم شیرازی نے فرمایا کہ اس زمانے میں تنباکو کا استعمال کرنا حرام ہے اور جو کوئی استعمال کرے گا ، گویا اس نے امام زمانہ کی مخالفت کی ہے سب نے اپنے اپنے حقے توڑ ڈالے یہاں تک کہ ناصر الدین شاہ کی زوجہ نے بھی ان سے حقہ چھین کر توڑ ڈالا اور کسی کے ذہن میں یہ بات بھی نہ آئی کہ یہ کیسے ہوگیا کہ ابھی کل تک تو تنباکو کا استعمال حلال تھا کیا خدا کا حلال و حرام بھی بدلتا ہے، وغیرہ بلکہ سبھی نے ،یہاں تک کہ علماء اور مراجع کرام اور ان لوگوں نے بھی کہ جو خود فتویٰ دیتے تھے سب نے میرزائے شیرازی کے حکم کی اطاعت کو ضروری قرار دے دیا ،اب جب کہ مفہوم ولایت فقیہ کی حقیقت واضح اور روشن ہوگئی ہے اب ان دلائل ،کو پیش کریں گے جو ولایت فقیہ کے اثبات کے لئے ہیں ۔

ولایت فقیہ تحقیقی مسئلہ ہے یا تقلیدی؟

اس لحاظ سے کہ ولایت فقیہ کا مسئلہ امامت کی بحث سے مربوط ہے لہٰذا کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ بحث علم کلام سے مربوط ہے، علم کلام کے معنی، علم کلام وہ علم ہے کہ جو اصول دین کے بارے میں (یعنی خدا نبوت ،معاد وغیرہ کے بارے میں) بحث کرتا ہے، علم کلام میں نبوت کے اثبات کے بعد یہ سوال پیش آتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد اسلامی معاشرے کی رہبری، کس کا حق ہے ؟ اس سوال کے جواب میں امامت کی بحث پیش آتی ہے ، شیعوں کے پاس جو دلیلیں ہیں ان کے مطابق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد امت کی رہبری امام معصومؑ کا حق ہے اور امام معصومؑ کی امامت کے اثبات کے بعد یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں کہ جب امام معصوم حاضر نہ ہوں تو امت اسلامی کی رہبری کرنا کس کا حق ہے ؟اسی سوال کے جواب میں ولایت فقیہ کی بحث پیش کی جاتی ہے اور جیسا کہ مشہور ہے، اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے، لہٰذا بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ولایت فقیہ کا مسئلہ اصول دین اور علم کلام کی بحث سے مربوط ہے، لہٰذا جس طرح خدا یا نبوت کے اثبات میں ضروری ہے کہ خود تحقیق و جستجو کرے

اس بحث میں بھی اسی طرح ضروری ہے کہ تحقیق کرے اور اس مسئلہ میں تقلید نہیں ہے لیکن واقعیت اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ولایت فقیہ میں تقلید نہ ہو، اس بارے میں ضروری ہے کہ عرض کریں، پہلی بات یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ہر وہ مسئلہ جو علم کلام یا اصول دین کا ہو اور ساتھ ہی ساتھ وہ فروع دین سے بھی مربوط ہو، اس میں تقلید جائز نہ ہو اور ہر شخص کے لئے ضروری ہو کہ برہان اور دلیل کے ساتھ ثابت کرے، نہیں، ایسا نہیں ہے، بلکہ علم کلام کے بھی بہت سے مسائل ایسے ہیں جس میں تقلید جائز ہے یعنی اس مسئلہ میں جو صاحب نظر ہو اس کی بات پر عمل کریں، مثلاً یہ مسئلہ کہ جب مردہ کو دفن کیا جائے اس شب کے سوالات، یہ فروعات میں سے ہے حالانکہ معاد کی بحث سے مربوط ہے ۔

لیکن یہ سوال کہ قبر کی پہلی شب کا کیا مطلب ہے یا مثلاً اگر کسی کو دن میں دفن کیا جائے کیا ضروری ہے کہ انتظار کریں، یہاں تک کہ رات ہوجائے اور پھر کہیں کہ یہ اس کے قبر کی پہلی شب ہے، یا یہ کہ اگر کوئی جل کر مرجائے اور راکھ ہوجائے راکھ کو ہوا اڑا لے جائے، یا کسی انسان کو جانور کھا جائے وغیرہ ،خلاصہ یہ کہ اس کے بدن کا کوئی عضو باقی نہ رہے کہ اس کو دفن کیا جائے، کیا ایسے انسان کے لئے قبر کی پہلی شب ہے یا نہیں ہے ؟

یا یہ کہ قبر کی پہلی رات میں کس طرح کے سولات ہوں گے اور کیا سوالات ہونگے ؟ اور بہت سارے سوالات اس مسئلہ میں ہیں کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے اس پر تحقیق نہیں کی ہے، بلکہ کتابوں کو پڑھ کر یا بزرگوں کی باتوں کو سن کر ہم کو ان باتوں پر اطمینان اور یقین حاصل ہو جاتا ہے ۔ ولایت فقیہ کی بحث بھی اگر چہ ایک لحاظ سے علم کلام کا مسئلہ ہے اور امامت کی بحث سے مربوط ہے ،لیکن ماہیت کے لحاظ سے ان مسائل میں تحقیق کرنے کی صلاحیت ہر شخص کے اندر نہیں پائی جاتی ہے، لہٰذا کسی مورد اعتماد شخص کہ جو اس مسئلہ میں علم رکھتا ہو اس کی بات کو قبول کر سکتا ہے ۔ ثانیاً ۔ اگر چہ مسئلہ ولایت فقیہ امامت کی بحث سے مربوط ہے لہٰذا یہ علم کلام کا مسئلہ ہے اور اصول دین کے فروعات سے مربوط ہے، لیکن اس لحاظ سے کہ ولی فقیہ کے حکم پر عمل کرنا عوام پر واجب ہے، یا یہ کہ ولی فقیہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں ؟اس کے اختیارات کے حدود کیا ہیں ؟ اور اس طرح کے بقیہ مسائل، یہ سب فقہی مسائل میں شمار

کئے جاتے ہیں اسی لئے فقہا نے اپنی کتابوں اور فقہی بحثوں میں اس عنوان پر بھی بحث کی ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ فقہی مسائل (دینی فروع دین) میں تقلید جائز ہے بلکہ بہت سے افراد کے لئے واجب ہے ۔بہر حال اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ ولایت فقیہ کی بحث میں تحقیق ضروری ہے لیکن اس لحاظ سے کہ بہت سے لوگ اس بارے میں سوال کرتے ہیں اور آج کے زمانے میں ہمارے معاشرے کے لوگوں سے مربوط ہے لہٰذا اس مقام پر اثبات ولایت فقیہ کی دلیلوں کو آسان طریقہ سے بیان کریں گے، واضح ہے کہ تفصیلی بحث کے لئے اس سے مربوط کتابوں اور ماہناموں کا مطالعہ فرمائیں ۔

ولایت فقیہ کو ثابت کرنے والی دلیلیں

ولایت فقیہ کو ثابت کرنے والی دو طرح کی دلیلیں ہیں ا۔ عقلی ۲۔ نقلی۔اس بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ شیعہ علماء معتقد ہیں کہ حکم شرعی کے اثبات کے لئے چار طرح کی دلیلوں سے سہارا لیا جا سکتا ہے۔

ا۔ کتاب ۲۔ سنت معصومین ۳۔ اجماع ۴۔ عقل ۔شیعہ علماء کے نظریہ کے مطابق ضروری نہیں ہے کہ ایک شرعی حکم کو ثابت کرنے کے لیئے آیت یا روایت ہی ہو بلکہ اگر آیت یا روایت نہ ہو اس صورت میں عقلی دلیل کے ذریعہ شریعت کے احکام اخذ کئے جا سکتے ہیں لہٰذا فقہی اعتبار سے اگر ولایت فقیہ کو عقلی دلیلوں سے ثابت کیا جائے اس کا اعتبار بھی نقلی دلیلوں، یعنی آیات و روایات سے کم نہیں ہے اس مقام پر ولایت فقیہ کے اثبات کے لئے دو عقلی دلیلیں اور دو نقلی دلیلیں آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

الف۔ عقلی دلیلیں پہلی عقلی دلیل : اس دلیل کو مختصر طور پر اگر بیان کیا جائے،تو مندرجہ ذیل مقدمات سے تشکیل پا تی ہے۔
الف۔ بشر کے سماجی اور فردی مصلحتوں اور معاشرے کو ہرج و مرج اور فساد سے روکنے اور نظم بر قرار کرنے کے لئے ہر معاشرے کے لئے ایک حکومت کا ہونا ضروری ہے۔

ب۔ سب سے اچھی اور کامل وہی حکومت ہے کہ جس کی سر براہی امام معصومؑ کریں اور معاشرے کے امور کو ادارہ کریں۔

ج۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی ضروری مصلحت کو حاصل کرنے کے لئے اس کا بلند مرتبہ اور بہترین درجہ حاصل نہ ہو پائے اس وقت ضروری ہے کہ جو مرتبہ اس مصلحت سے نزدیک ہو اس کو حاصل کیا جائے جب کہ عوام ،امام معصوم کی حکومت کو درک نہیں کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ مرتبہ جو امام معصومؑ کی حکومت سے نزدیک ہو حاصل کیا جائے۔

د۔ ایک حکومت ؛امام معصومؑ کی حکومت سے اسی وقت نزدیک ہو سکتی ہے جب اس حکومت کے حاکم میں یہ تین صفات پائے جاتے ہوں: ا۔ اسلام کے کل احکام کا علم رکھتا ہو یعنی فقیہ ہو

۲۔ روحی اور اخلاقی لحاظ سے ایسا ہو کہ حرص وہوائے نفس کا شکار نہ ہو (یعنی متقی ہو)

۳۔ اس میں معاشرہ کو ادارہ کرنے کی صلاحیت پائی جائے یعنی ؛ سیاسی، سماجی اور بین الا قوامی مسائل سے آگاہ ہو ،نیز اس کے اندر شجاعت بھی پائی جاتی ہو تاکہ دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ ان مقدموں کی بنیاد پر ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ امام زمانہ (عج) کی غیبت میں اسی کو حکومت کا اقتدار سنبھالنے کا حق ہے جس کے اندر یہ صفات بدرجہ اتم پائے جاتے ہوں تاکہ حکومت حاصل کرنے کے بعد اس کے امور کو بخوبی انجام دے کر کمال مطلوب تک پہونچا سکے فقیہ جامع الشرائط کے علاوہ کسی کے اندر یہ صلاحیتیں نہیں پائی جاتی ہیں،اب اس دلیل اور اس کے مقدمات کی وضاحت کریں گے۔

اس دلیل کا پہلا مقدمہ وہی معروف و مشہور بحث ہے جس کو ہم نے گزشتہ فصلوں میں حکومت کی ضرورت کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ اس بحث میں ہم نے نظریہ ولایت فقیہ کے فرضیہ بیان کئے تھے کہ ان میں سے ایک اصل معاشرے کے لئے حکومت کو قبول کرنا تھا،اس بحث میں ہم نے بیان کیا تھا کہ سیاسی علوم کے دانشوروں اور غیر سیاسی علوم کے دانشورو ں میں سے اکثر لوگ اس اصل کو قبول کرتے ہیں اور کسی کو اس میں شک و شبہ نہیں ہے کہ حکومت کا ہونا معاشرے کے لئے ضروری ہے صرف آنار

شیت ومارکیسست نے اس مسئلہ میں تنقید کی ہے ۔ بہر حال معاشرے میں حکومت کی ضرورت پر متعدد دلیلیں ہیں جن سے یقین حاصل ہوجاتا ہے کہ معاشرے کے لئے حکومت کا ہونا ضروری ہے حضرت علیؑ اس بارے میں فرماتے ہیں ''؛ لَابُدَّ لِلنَّاسِ مِن اَمِیرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ[1]'' ہر معاشرے کے لئے حاکم کا ہونا ضروری ہے چاہے حاکم عادل اور نیک عمل ہو، یا ظالم و بد عمل ہو، اس کلام سے بالکل واضح اور روشن ہوجاتا ہے کہ ہر معاشرے کے لئے حکومت کا ہونا ضروری ہے ۔ اس دلیل کا دوسرا مقدمہ بھی واضح ہے اس میں زیادہ وضاحت کی ضرورت بھی نہیں ہے، معصوم سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بارہ أئمہ معصومین ؑ ہیں کہ ہم شیعوں کے عقیدے کے مطابق ان کے اندر عصمت کی صفت پائی جاتی ہے یعنی عمداً یا سہواً گناہ یا خطا کے مرتکب نہیں ہوتے ہیں نیز ان کی رفتار وگفتار اور ارادے میں کسی طرح کا نقص نہیں پایا جاتا ہے یہ صفات سبب بنتے ہیں کہ حکومت کا عہدہ سنبھالنے کے لئے سب سے زیادہ معصومین ؑ کے اندر صلاحیت پائی جاتی ہے ۔

اس لئے کہ غیر معصوم بادشاہ او رحکام، شخصی اغراض اور شہوت پرستی کی وجہ سے ممکن ہے حق اور عدالت کے راستے سے منحرف ہوجائیں اور ان کی حکومت کی وجہ سے پورا معاشرہ خراب ہوجائے یا یہ کہ غلط رویہ اور غلط فیصلوں اور حقیقت سے دور فیصلوں کی وجہ سے غیر معصوم حکام سبب بن سکتے ہیں کہ معاشرے کی مصلحت میں کام انجام نہ دے پائیں لیکن وہ شخص کہ جو معصوم ہے وہ عصمت کی صفت کی وجہ سے نہ تو گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور نہ ہی عمل میں غلطی کرتا ہے ۔ دوسری طرف جو علم کلام میں بحث ہوتی ہے کہ عصمت کی یہ خصوصیت نیز علم وبصیرت معصوم کے اندر بحد کمال پائی جاتی ہیں،اس تعبیر کے لحاظ سے معصوم کو انسان کامل کہا جاسکتا ہے کہ ان کا علم و عقل حد کمال تک ہوتا ہے لہٰذا عمداً یا سہواً کسی طرح کا گناہ یا غلطی کے مرتکب نہیں ہوتے ہیں جب کہ ہر عقل اور عاقل انسان ضرور تصدیق کرے گا کہ ایسے شخص کی حکومت ہر اعتبار سے مطلوب ہے اور معاشرے کے لئے جو مصلحت ہے وہ حاصل ہوسکتی ہے ۔

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ، ۴۰۔

اس استدلال کا تیسرا مقدمہ جو سب سے اہم مقدمہ ہے اس کی وضاحت کے لئے بہتر ہے ایک یا دو مثال کا سہارا لیا جائے ۔ فرض کریں کہ انسانوں میں سے دس انسان ایسے ہیں کہ جن کا وجود معاشرے کے لئے بہت مفید ہے وہ غرق ہورہے ہوں اور ہم اگر اپنی تمام طاقت وقوت کا سہارا لیں ان میں سے صرف سات آدمیوں کو غرق ہونے سے بچا سکتے ہوں اور بقیہ تین آدمی کو نہیں بچا سکتے ہوں، ایسی صورت میں عقل سلیم کیا حکم کرتی ہے ؟کیا عقل یہ کہتی ہے کہ اگر دس آدمیوں کو نجات نہیں دے سکتے ہیں اور یقیناً تین آدمی غرق ہوجائیں گے، کیا ایسی صورت میں ضروری نہیں ہے کہ آپ کوئی اقدام کریں ؟کیا عقل یہ کہتی ہے کہ اگر سب کو نجات دینا ممکن ہو سب کو نجات دینے کی کوشش کرنا چاہئے لیکن اگر سب کو نجات دینا ممکن نہ ہو بقیہ سات آدمیوں کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ساتوں کو نجات دیں یا چھ آدمیوں کو نجات دیں یا پانچ کو یا صرف ایک آدمی کو بچائیں۔

بہر حال مسلماً جب کہ سب کو بچانا ممکن نہ ہو پھر بھی ضروری ہے یہ کہ نجات دینے کے لئے اقدام کریں باوجود اس کے کہ سات لوگوں کو نجات دینا ممکن ہو آیاکوئی فرق نہیں ہے کہ ساتوں آدمیوں کو نجات دیں یا یہ کہ صرف ایک یا دو آدمیوں کو یا صرف ایک آدمی کو نجات دیں، یا یہ کہ عقل کا فیصلہ اور حکم یہ ہے کہ اگر دسوں آدمیوں کو نجات نہیں دے سکتے ہیں تو مصلحت یہ ہے کہ جن سات آدمیوں کو نجات دے سکتے ہیں اقدام کریں اور جائز نہیں کہ حتی ایک آدمی کو بھی چھوڑدیں کہ وہ ڈوب جائے، یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ چھ یا پانچ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑدیں اور ان کی نجات کے لئے کوئی اقدام نہ کریں، عقل کا مسلم اور قطعی فیصلہ یہی ہے کہ جہاں تک جتنے لوگوں کو نجات دینا ممکن ہو نجات دیں اور یہ کہنا کہ ایک یا دو یا صرف پانچ لوگوں کو نجات دیں، عقل کے لحاظ سے قابل قبول نہیں ہے ۔

یا فرض کریں کسی انسان پر وھیل مچھلی نے حملہ کردیا ہو اور اگر ہم اس کو نجات بھی دے دیں پھر بھی اس کا ایک یا دو پیر مچھلی قطع کردے گی مختصر یہ کہ اگر ہم نے اس کی جان بچا بھی لی پھر بھی اس کا کوئی عضو کٹ جائے گا ۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں ہماری عقل کیا حکم کرتی ہے کیا عقل یہ کہتی ہے کہ اگر اس کو صحیح و سالم نہیں بچا سکتے تو ضروری نہیں ہے کہ ہم کوئی اقدام کریں بلکہ کافی ہے

بیٹھ کر دیکھیں ، یا یہ کہ ہر عقلمند کی عقل قطعاً یہ حکم دیتی ہے کہ اگر چہ اس کا ایک پیر یا ہاتھ کٹ جائے گا اور اس کے عضو میں نقص آجائے پھر بھی ضروری ہے کہ اس کی نجات کے لئے اقدام کیا جائے اور اس کو صحیح و سالم بچا لینے کا اگر چہ امکان نہ ہو پھر بھی جائز نہیں ہے کہ اس کی نجات کے لئے اقدام نہ کیا جائے ۔ جواب واضح اور روشن ہے کہ اگر سو فیصد مصلحت حاصل نہیں ہوسکتی ہے ایسی صورت میں ناقص مصلحت کو ہی حاصل کیا جائے ۔

ان دو مثالوں میں عقل کا حکم اور فیصلہ ایک قاعدہ کلی کے مطابق ہے کہ جو عقل کے نزدیک قابل قبول ہے ؛ وہی قاعدہ کلی ہمارے استدلال کے تیسرے مقدمہ کو تشکیل دیتا ہے جب ایک لازم اور ضروری مصلحت کو اس کے حد کمال تک حاصل نہ کیا جا سکے ضروری ہے اس کمال سے قریب جو مرتبہ ہے اس کو حاصل کیا جائے ،اس وقت ہماری بحث بھی اسی قاعدہ کلی کا ایک مصداق ہے ۔ حکومت کا موجود ہونا یہ ایک ایسی مصلحت ہے کہ جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے ،اور اس مصلحت کی حد مطلوب اور کمال ، امام معصوم ۲۲۲ کی حکومت میں ہی پایا جاسکتا ہے لیکن جس زمانے میں کہ امامؑ حاضر نہ ہوں اور ان کی حکومت درک نہ ہوسکتی ہو،نیز یہ مصلحت حد کمال اور مطلوب تک حاصل نہیں ہوسکتی ہوتو کیا ہم کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا چاہیئے اور کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیئے،حد کمال سے نزدیک مصلحت کے پانے کا امکان ہوتے ہوئے بھی اس کے نتیجے کو حاصل کئے بغیر ہم راضی ہوجائیں گے ؟عقل کا حکم یہ ہے کہ اگر مطلوب اور کامل مصلحت نہ پائی جائے اس صورت میں ایسا ہر گز نہیں ہے کہ اصل مصلحت (یعنی وجود حکومت) سے بھی صرف نظر کرلیا جائے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر قسم کی حکومت کو مساوی سمجھا جائے اور ہر طرح کی حکومت کو شرعی جواز دے دیا جائے بلکہ ہمیں کوشش کرنا چاہیئے کہ ایسی حکومت حاصل کی جائے کہ جو معصومؑ کی حکومت اور کامل مصلحت سے نزدیک ہو ۔ لیکن اس استدلال کے چوتھے مقدمہ کی توضیح میں یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ چیز کہ جو سبب بنتی ہے کہ امام معصومؑ کی حکومت میں مصلحت حد کمال تک پائی جائے وہ اس کے تمام صفات ، اخلاقی، علمی، جسمی ، ظاہری ، روحی، گھریلو وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ چیز کہ جس کا اس میں اساسی دخل ہے یہ ہے کہ امام معصومؑ کو اسلام اور اس کے احکام کے تمام جوانب کا

علم ہوتا ہے اس بنا پر وہ معاشرے کو اسلام کے صحیح راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے ،اور دوسری چیز یہ ہے کہ معصوم ہر طرح کے گناہ ،غلطی ،فساد، منفعت طلبی وغیرہ سے پاک ہوتا ہے اوروہ صاحب بصیرت ،جامع اور کامل ادراک اور مہارت کا مالک ہے جومعاشرے کے حالات اور امور کی تدبیر پر تسلط رکھتاہے ۔ ہم نے تیسرے مقدمہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ ہم کو ایسی حکومت تشکیل دینا چاہیئے جو امام معصومؑ کی حکومت سے نزدیک ہو ،لہذا اسلامی حکومت کا حاکم ،معاشرے کا لائق ترین اور بہترین صفات کا حامل ہونا ضروری ہے اور چونکہ ان صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ احکام اسلامی کا کامل علم رکھتا ہو قطعاً وہ شخص فقیہ ہی ہوسکتا ہے اس لئے کہ تحقیق کرکے احکام اسلامی کو جو بیان کرسکتا ہے وہ فقیہ ہوتا ہے البتہ صرف فقاہت ہی کافی نہیں ہے بلکہ دودوسرے صفات بھی یعنی تقویٰ اور معاشرے کو ادارہ کرنے کی صلاحیت کا ہونا بھی ضروری ہے ۔

ان مقدمات کی بنا پر کہ جن کے صحیح ہونے کے بارے میں الگ الگ ہم نے تحقیق کی ہے یقیناً منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جس وقت امام معصوم کی حکومت میسر نہ ہو ،ضروری ہے کہ معاشرے میں فقیہ جامع الشرائط کی حکومت ہواور اسی کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہےاور معاشرے میں ایسے شخص کے ہوتے ہوئے دوسروں کی حکومت اوراقتدار شرعی جواز نہیں رکھتا ہے۔

دوسری عقلی دلیل : یہ دلیل بھی مندرجہ ذیل مقدمات سے تشکیل پاتی ہے ۔

الف : انسان کے جان، مال، عزت وآبرو پر خدا وند عالم کی ولایت ہے اور کسی کو شرعی جواز اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب خدا وند عالم اس کو اذن دے اور منصوب کرے ۔

ب: انسان کے جان ومال عزت و آبرو پر قانونی قدرت اور حق تصرف خداوند عالم کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آئمہ معصومین کو عطا ہوئی ہے ۔

ج: جس زمانے میں معصوم رہبر نہیں ہیں دو حال سے خالی نہیں ہے یا یہ کہ خداوند عالم نے اسلام کے معاشرے سے متعلق احکام سے صرف نظر کرلیا ہویا ان احکام کے اجرا ہونے کے لئے اس شخص کو اجازت دی ہو جو معاشرے میں سب سے بہتر اور افضل ہو ۔

د: لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ جس زمانے میں معصوم حاضر نہیں ہیں خداوند عالم نے اسلامی سماج سے مربوط احکام سے صرف نظر کرلیا ہے ۔ اس سے نقض غرض لازم آئے گی اور یہ حکمت کے خلاف ہے لہٰذا دوسرا فرضیہ ثابت ہوگا کہ ہم عقل کا یہ قطعی حکم کشف کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے معاشرے میں سب سے بہتر شخص کو اسلام کے معاشرے سے مربوط احکام کو اجرا کرنے کی اجازت دی ہے ۔

ھ ۔ فقیہ جامع الشرائط یعنی وہ فقیہ کہ جو سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہو اور معاشرے کے امور کو ادارہ کرسکتا ہو اور معاشرے کی مصلحتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو اور اس امر کے لئے اس کے اندر دوسروں سے زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہو ۔ پس فقیہ جامع الشرائط ہی ہے کہ امام معصومؑ کے موجود نہ ہونے کی صورت میں خداوند عالم نے اس کو اجازت دی ہے کہ اسلام کے معاشرے سے مربوط احکام کو اجرا کرے ۔

اب ہم اس دلیل اور اس کے مقدمات کی وضاحت پیش کررہے ہیں؛ پہلا مقدمہ : وہی مقدمہ ہے جس کی طرف گزشتہ صفحات پر متعدد بار ہم نے اشارہ کیا ہے، اور نظریہ ولایت فقیہ کے پیش فرض کی بحث میں بیان کیا ہے نیز اسلامی حکومت میں عوام کے کردار اور حکومت کے شرعی جواز کی بحث میں تفصیل کے ساتھ ہم نے بیان کیا ہے ۔ ان بحثوں میں نتیجہ کلام یہ تھا کہ خداوند عالم تمام موجودات کا خالق اور مالک ہے ان میں سے انسان بھی ہیں اور دوسری طرف عقل کا حکم کلی یہ ہے کہ دوسروں کی ملکیت میں بغیر اجازت کے تصرف کرنا ناپسندیدہ اور ظالمانہ کام ہے؛ اس بنا پر کہ انسان اور اس سے متعلق اشیاء میں تصرف کا حق خداوند

عالم کے اختیار میں ہے اور اس سے نیچے درجہ میں خداوند عالم اس حق کو انسانوں میں سے بعض انسانوں کو عطا کر سکتا ہے ۔ دوسرا مقدمہ بھی اسلامی حکومت میں عوام کے کردار کے عنوان سے مورد بحث واقع ہوا اور ہم نے بیان کیا کہ تمام مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق خداوند عالم نے انسانوں کے جان، مال، عزت و آبرو میں تصرف کا حق پیغمبر اکرم ﷺ کو عطا کیا ہے اسی طرح شیعہ معتقد ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد یہ حق بارہ معصوم اماموں کو عطا کیا گیا ہے ۔تیسرا اور چوتھا مقدمہ اس سوال کے جواب میں ہے کہ اگر کسی زمانے میں امام معصوم ۲۲۲ حاضر نہ ہوں تو اس وقت عوام کی کیا ذمہ داری ہے ؟

آیا دین اسلام میں معاشرے کے سلسلہ میں جو احکام موجود ہیں، جن کے اجرا کے لئے حکومت کا ہونا ضروری ہے خداوند عالم انے ان احکام سے صرف نظر کرلیا ہے اور ان احکام پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور صرف شخصی اور فردی احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، یا اسی طرح معاشرے سے مربوط احکام کے اجرا ہونے کے لئے بھی اسلام نے تاکید کی ہے ؛ دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ جب معصومؑ معاشرے میں حاضر نہ ہونا عقلاً دو فرض سے زیادہ متصور نہیں ہے، یا یہ کہ خدا وند عالم کا مقصد معاشرے سے مربوط احکام کا اجرا کرنا نہیں ہے یا ان مسائل کا اجرا کرنا خدا وند عالم کا مقصود ہے اب ہم ان دونوں مطالب کی تحقیق کریں گے ۔اگر یہ قبول کرلیں کہ معاشرے میں معصومؑ کے حاضر نہ ہونے کی صورت میں خداوند عالم کا ارادہ معاشرے سے مربوط احکام سے متعلق نہیں ہے،اور خدا وندعالم نے ان احکام کو تعطیل کر دیا ہے اور صرف اسلام کے فردی اور شخصی مسائل پر اکتفا کی ہے جیسے نماز، روزہ ،حج،طہارت، نجاست وغیرہ اگر یہ مان لیا جائے تو اس کا لازمہ نقض غرض ہوگا جو خداوند عالم کی حکمت کے خلاف ہے لہٰذا محال ہے۔

اس مطلب کی وضاحت: اصولاً :ہم معتقد ہیں کہ انبیاء پیغمبروں اور آسمانی شریعتوں کو بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ خداوند عالم نے اس دنیا کو بیہودہ اور عبث خلق نہیں کیا ہے،بلکہ خداوند عالم کا مقصد یہ ہے کہ تمام موجودات کو ان کی ظرفیت کے مطابق کمال تک پہونچائے، انسان بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہے اور انسان کمال تک پہونچنے کے لئے خلق ہوا ہے لیکن چونکہ انسان کی عقل اس سے قاصر

تھی کہ کمال نہائی کے راستوں کو سمجھ سکے لہٰذا خداوند عالم نے دین کی صورت میں پیغمبروں اور اپنے احکام کو نازل کیا اور اس طریقہ سے انسانوں کو کمال کا راستہ دکھایا اور اس کی رہنمائی کی نیز تمام احکام جو دین میں ہیں وہ سب کسی نہ کسی طرح انسان کے کمال تک پہونچنے میں مؤثر ہیں لہٰذا دین انھیں قوانین کا مجموعہ ہے جو خداوند عالم نے انسانوں کو کمال تک پہونچنے کے لئے بھیجا ہے، جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب اگر فرض کریں کہ خداوند عالم نے دین اسلام کے زیادہ احکام کو تعطیل کردیا ہے لہٰذا ہم پر واجب نہیں ہے کہ ان پر عمل کریں، اس کا معنی یہ ہوگا کہ خداوند عالم نے نقض غرض کی ہے اس لئے کہ اللہ نے انسان کو کمال تک پہونچنے کے لئے خلق کیا ہے اور کمال تک پہونچنے کے لئے دین کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے ان میں سے صرف بعض احکام پر عمل کرنے سے کمال حاصل نہیں ہوگا اسی لئے دین کے بعض امور پر ایمان اور بعض پر عمل پیرا ہونے سے قرآن مجید نے سختی سے منع کیا ہے ۔

''أَفَتُؤمِنُونَ بِبَعضِ الکِتَابِ وَتَکفُرُونَ بِبَعضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن یَفعَلُ ذٰلِکَ مِنکُم إِلَّا خِزیٌ فِي الحَیٰوةِ الدُّنیَا وَیَومَ القِیٰمَةِ یُرَدُّونَ إِلیٰ أَشَدِّ العَذَابِ[1]''

''تو پھر کیا تم (کتاب خدا کی) بعض باتوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو پس تم میں سے جو لوگ ایسا کریں گے ان کی سزا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ زندگی بھر کی رسوائی ہو اور قیامت کے دن بڑے سخت عذاب کی طرف لوٹا دئے جائیں''

اصولاً اگر اسلامی سماج سے مربوط احکام ،انسان کے کمال تک پہونچنے میں مؤثر نہ ہوتے تو یہ احکام وضع ہی نہ ہوتے لہٰذا ان احکام کا انسان کے کمال پر مؤثر ہونا قطعی اور یقینی ہے اس لحاظ سے واضح ہے کہ احکام کا تعطیل ہونا انسان کے کمال و سعادت میں مخل ہے اور حکمت کے خلاف ہے اور خداوند عالم جو کہ حکیم مطلق ہے محال ہے کہ حکمت کے خلاف کام انجام دے، اسی طرح جیسا کی پہلی دلیل کے مقدمہ میں ہم نے ذکر کیا کہ اگر کامل اور حد اعلیٰ کی مصلحت حاصل ہونا ممکن نہ ہو ایسی صورت میں اس سے نزدیک مصلحت کو حاصل کرنا واجب اور ضروری ہے اور صرف اس بہانے سے کہ ہم تمام مصلحت کو حاصل نہیں کرسکتے ہیں ،لہٰذا جن

---

[1] بقرہ ،۸۵۔

مصلحتوں کو حاصل کرنا ممکن ہے ان کو بھی حاصل نہ کریں اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ مصلحت کے نزدیک مرتبہ کو حاصل ہوتے ہوئے دور کی مصلحت پر اکتفا کریں، اس قاعدہ کے مطابق ہم کہتے ہیں اسلام کے معاشرے سے مربوط احکام اسی وقت اجرا ہو سکتے ہیں جب اسلامی حکومت ہو اور اس کی مصلحت اور کامل مرتبہ کا حصول معصوم کی حکومت میں ہی ممکن ہے لیکن جس زمانے میں امام معصوم ۲۲۲ معاشرے میں حاضر نہ ہوں ایسی صورت میں دو حال سے خالی نہیں ہے ۔ الف : یہ کہ ان احکام کو اجرا ہونے کو قبول کریں، نیز وہ شخص جو سب سے بہتر ہے اس کی حکومت کو قبول کریں تاکہ معصوم کے عدم حضور میں بھی ان احکام پر عمل ہو سکے ۔

ب: جب ممکن ہو کہ بہتر اور سالم شخص حکومت کرے پھر بھی ہم کہیں کہ افضل و بہتر کی حکومت ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی حکومت کرے وہی صحیح ہے ۔

ج: باوجود اس کے کہ اسلام کے معاشرے سے مربوط احکام پر عمل ہونا ممکن ہو، لیکن صرف اس وجہ سے کہ درجہ کمال تک عمل نہیں ہوسکتا ہے لہٰذا کلی طور پر اس مصلحت سے صرف نظر کر لیا جائے اور معاشرے سے مربوط احکام کو معطل کر دیا جائے ۔ واضح ہے کہ ان تین گزینوں میں سے پہلا گزینہ راجح، دوسرا اور تیسرا گزینہ مرجوح ہے اور مرجوح کو راجح پر ترجیح دینا عقلاً قبیح ہے اور یہ فعل حکیم شخص سے محال ہے، اس بیان کے ساتھ تیسرا اور چوتھا مقدمہ بھی برہان اور دلیل کے ساتھ ہوگیا اور یہ ثابت ہوگیا کہ اگر معاشرے میں معصوم حاضر نہ ہوں ایسی صورت میں اسلام کے معاشرے سے مربوط احکام کو اجرا کرنے کا حق اس شخص کو حاصل ہے جو دوسروں سے اصلح اور بہتر ہو، اگر اس مطلب کو قبول نہ کریں اس وقت خدا کی طرف سے نقض غرض اور حکمت کے خلاف اور ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی ۔

اب جب یہ ثابت ہوگیا کہ معصوم کے معاشرے میں حاضر نہ ہونے کی صورت میں اسلامی احکام کو اجرا کرنے کے لئے اس شخص کو اجازت ہے جو اصلح اور بہتر ہو ۔ طبیعی طور پر یہ سوال پیش آتا ہے کہ یہ اصلح شخص کون ہے اور کون سی خصوصیتیں ہیں جن کی وجہ سے

یہ شخص دوسروں سے بہتر او راصلح قرار پاتا ہے ؛ اس سوال کا جواب بھی پہلی عقلی دلیل کے چوتھے مقدمہ میں واضح وروشن ہوچکاہے اور یہ ہم نے بیان کیا کہ معصومؑ کے تمام خصوصیات ا و رصفات میں سے ، وہ صفات جو سبب بنتے ہیں کہ معصومؑ کی حکومت تمام حکومتوں سے کامل اور بہتر ہے وہ مندرجہ ذیل تین خصوصیتیں ہیں(اسلام کے احکام اورقوانین کا کامل علم ہو، معاشرے کے حالات سے واقف ہو،اور معاشرے کے امور میں تدبیر کرسکتا ہو)اس بنا پر جو شخص ان صفات میں امام معصومؑ سے زیادہ قریب ہووہی شخص ہے جو دوسروں کی بہ نسبت اصلح اور بہتر ہے ،اور وہ شخص فقیہ ، اسلام شناس با تقویٰ اور امور معاشرے میں حسن تدبیر رکھتا ہو ،ان مقدمات کو ثابت کرنے کے بعد یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ فقیہ جامع الشرائط ہی اصلح اور بہتر شخص ہے کہ جس زمانے میں امام معصومؑ حاضر نہ ہوں خدا وند عالم اور معصومؑ کی طرف سے فقیہ کو اجازت ہے کہ معاشرے سے مربوط امور اور احکام کو اجرا کرے ۔

(ب) نقلی دلیلیں

ہم نے بیان کیا کہ ولایت فقیہ کے اثبات کے لئے عقلی اور نقلی دونوں دلیلیں پائی جاتی ہیں ،اس مسئلہ میں نقلی دلیلیں وہ روایات ہیں ،جو دلالت کرتی ہیں کہ عوام کی حکومتی ضرورت کو پوراکرنے کے لئے فقہا کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ، (خاص کر قضاوت اور حقوقی اختلافات میں) یا وہ روایات ہیں کہ جن میں فقہا کو (امنا)یا خلفا ،یا پیغمبروں کا وارث ،بنایا گیاہے ، جن کے ذمہ ان امور کا اجرا کرنا ہے ،ان روایات کی سند اور دلالت کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہوئی ہیں کہ اس کتاب میں ان کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ان مفصل کتابوں اور رسالوں کی طرف مراجعہ کیا جائے جو اس موضوع پر لکھے گئے ہیں ان روایات میں سے مقبولہ عمر بن حنظلہ ، مشہور ہ ابو خدیجہ ،اور توقیع شریف ہے کہ جو اسحاق بن یعقوب کے جواب میں صادر ہوئی ہے اور یہ روایات اثبات ولایت فقیہ کی بہتریں دلیلیں ہیں ، ہمارے نظریہ کے مطابق ان روایتوں میں کہ جو شہرت روائی اور فتوائی رکھتی ہیں ،ان کی سند میں شک کرنا درست نہیں ہے ،اور دلالت کے اعتبار سے بھی یہ روایات فقہا کو امامؑ کا کار گزار ہونے کو بیان کرتی

ہیں ،اگر غیبت امامؑ میں ایسے منصب کی ضرورت زیادہ نہ ہوتو کم بھی نہیں ہے ،اس بنا پر ولی فقیہ کے منصوب ہونے کا معیار امامؑ کے زمان حضور سے سرایت کرکے زمان غیبت تک پہونچتاہے، علم و ہنرکی اصطلاح میں (دلالت موافقہ) کے ذریعہ زمان غیبت میں فقیہ کو امامؑ اور خدا وند عالم نے حکومت کے لئے منصوب کیا ہے،ثابت ہوجاتاہے اور اگر کوئی یہ احتمال دے کہ زمان غیبت میں ولی امر کو منتخب کرنا عوام کے ذمہ ہے اس دعویٰ کے لئے ایک معمولی سی بھی دلیل موجود نہیں ہے نیز اس مطلب کی طرف توجہ کے ساتھ کہ خدا وند عالم کو تشریعی ربوبیت بھی حاصل ہے (اس آیت کے مطابق ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ''اوردوسری دلیلیں بھی اس مطلب کو ثابت کرتی ہیں، اس لحاظ سے ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے ۔اور شیعہ فقہا میں سے کسی نے اس کو احتمال کی صورت میں بھی بیان نہیں کیاہے ۔

بہر حال یہ روایات ان عقلی دلیلوں کی تقویت اور تائید کرتی ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں، برفرض اگر کوئی سند کے اعتبار سے ان روایات پر مناقشہ کرے پھر بھی عقلی دلیلیں اپنی جگہ پر باقی رہیں گی، اس مقدمہ کی وضاحت کے بعد اب بعض ان نقلی دلیلوں کو ذکر کررہے ہیں جو مسئلہ ولایت فقیہ پر دلالت کرتی ہیں ۔

پہلی نقلی دلیل:وہ روایت جو شیعوں کے درمیان (توقیع شریف) کے نام سے مشہور ہے اس روایت کو شیعوں کے بزرگ عالم ، مرحوم شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب،اکمال الدین میں نقل کیا ہے ۔در حقیقت یہ توقیع اسحاق بن یعقوب کے سوال کے جواب میں امام زمانہ(عج) نے مرقوم فرمائی ہے، اسحاق بن یعقوب نے امام زمانہ (عج) کی خدمت میں چند سوالات لکھے تھے کہ ان میں سے ایک (حوادث واقعہ)کے بارے میں تھا کہ غیبت امام زمانہ(عج) میں جو مسائل پیش آئیں ان کو حل کرنے کے لئے ہماری کیا ذمہ داری ہے ؛ امام زمانہ (عج) نے اس بارے میں فرمایا '': وَاَمّا الحَوادِثُ الْوٰاقِعَۃُ فَارْجِعُوا فِیھا اِلیٰ رُواۃِ حَدِیْثِنٰا فَاِنَّھُمْ حُجَّتِیْ عَلَیْکُمْ وَاَنا حُجۃُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ[1] ''جو حوادث پیش آئیں ان کو حل کرنے لئے ہمارے راویان حدیث کی طرف رجوع کرنا اس لئے کہ وہ تم پر میری حجت ہیں

[1] اکمال الدین ،ج ،۱ ،ص ۴۸۳۔

اور میں ان پر خدا کی حجت ہوں'' اگر (حوادث واقعہ) اور (رواۃ حدیث) سے کیا مراد ہے، سمجھ یاآجائے اس وقت ہمارے مدعا کی دلالت کہ اثبات ولایت فقیہ ہے، واضح اور روشن ہوجائے گی حوادث واقعہ سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت :جو توقیع شریف میں آیا ہے ضروری ہے کہ قبول کریں کہ بہت بعید ہے کہ اسحاق بن یعقوب کی مراد احکام شرعی اور یہی مسائل ہوں، کہ جو رسالہ عملیہ میں لکھے رہتے ہیں اولاً اس لئے کہ شیعوں کو یہ معلوم ہی تھا کہ اس طرح کے مسائل میں چاہئے کہ علمائے دین اور وہ لوگ کہ جو آئمہؑ اور پیغمبر اکرم ﷺ کی روایات سے آشنائی رکھتے ہیں ان کی طرف رجوع کریں اور اس مورد کے لئے سوال کی ضرورت ہی نہیں تھی جس طرح آئمہؑ کے زمانے میں بھی جو شرعی مسائل پیش آئے تھے جیسے سفر میں کتنا فاصلہ ہوکہ قصر نماز پڑھی جائے وغیرہ) ائمہؑ ان شرعی مسائل میں یونس بن عبدالرحمٰن ، زکریا بن آدم اور ان کے جیسے علماء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے ۔اسی طرح نواب اربعہ جو امام زمانہؑ کی غیبت صغریٰ میں امامؑ کے خاص نائب تھے (کہ یہ چاروں افراد فقہاا ور علمائے دین میں سے تھے عوام شرعی مسائل کو معلوم کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کرتی تھی) عوام کا ان کی طرف رجوع کرنا اس مطلب کی طرف روشن اور واضح دلیل ہے مختصر یہ کہ یہ مسئلہ شیعوں کے لئے نیا نہیں تھا ۔

قاعدتاً ان کو چاہیئے تھا کہ اس طرح کی تعبیر لاتے کہ (حلال و حرام کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داری کیا ہے ؛ یا یہ کہتے کہ (احکام اللہ کے بارے میں ہماری کیا ذمہ داری ہے ؛ اور اس طرح کے لفظ استعمال کرتے کہ جو اس تعبیر میں مشہور اور رائج ہیں اور دوسری روایتوں میں بھی آئی ہیں ،بہر حال حوادث واقعہ کی تعبیر ،احکام شرعی میں عام طور پر استعمال نہیں کی جاتی تھی ۔

ثالثاً : اصولاً الفاظ کی دلالت وضع کے تابع ہے اور لفظ '' حوادث واقعہ '' لغت اور دلالت وضعی کے اعتبار سے احکام شرعی کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کے بہت وسیع معنی ہیں کہ یقیناً معاشرے میں پیش آنے والے مسائل کو بھی شامل ہے ،اس بنا پر اسحاق بن یعقوب کا امام زمانہ (عج)سے جو سوال تھا در حقیقت معاشرے سے مربوط مسائل اور مشکلات کے سلسلہ میں تھا کہ جو آپ کی غیبت کے زمانے میں مسائل پیش آئیں گے ان میں ہماری کیا ذمہ داری ہے اور ان مسائل میں ہم کس کی طرف رجوع کریں؛اورامام

زمانہؑ نے جواب میں مرقوم فرمایا کہ ان موارد میں راویان حدیث کی طرف رجوع کرنا ، اب یہ دیکھنا ہے کہ راویان حدیث سے مراد کون لوگ ہیں ؟ممکن ہے کوئی کہے کہ روایان حدیث سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کتاب اصول کافی یا وسائل الشیعہ یا کوئی بھی دوسری روائی کتاب اٹھائے اور ان کی روایتوں کو عوام کو پڑھ کر سنائے اور نقل کرے لیکن تھوڑی سی دقت اور توجہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تصور صحیح نہیں ہے ، اس لئے کہ ہمارے زمانے میں جو کوئی بھی پیغمبر اکرم ﷺ یا امام صادقؑ یا بقیہ آئمہؑ سے حدیث و روایت نقل کرتا ہے ، ضروری ہے کہ اس کو یقین ہو کہ یہ حدیث واقعاً پیغمبر اکرم ﷺ یا امام صادقؑ یا دوسرے آئمہؑ سے نقل ہوئی ہے ، اور اگر ایسا نہ ہوتو اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کہے امام صادقؑ نے یہ فرمایا ہے ، جب تک اس کے لئے وہ روایت وحدیث کسی معتبر طریق سے اس کے لئے ثابت نہ ہو لیکن اس کے با وجود اگر وہ شخص امام صادقؑ یا تمام آئمہ معصومینؑ کی طرف حدیث کی نسبت دے یہ پیغمبر اکرم ﷺ و آئمہ معصومینؑ پر جھوٹ و افترا کے مصادیق میں سے ہوگا کہ جو بہت بڑا گناہ ہے ، اگر کوئی چاہے کسی حدیث کو پیغمبر اکرم ﷺ یا آئمہ معصومینؑ سے نقل کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس ایک حجت اور معتبر شرعی دلیل ہو ، اس وقت معصومؑ کی طرف نسبت دے سکتا ہے ، اور واضح رہے کہ اس طرح روایت کو نقل کرنے کے لئے خاص علم کی ضرورت ہے اور وہ علم ڈاکٹریٹ ، یا انجینیرنگ یا کمپیوٹر وغیرہ کا علم نہیں ہے ، بلکہ یہ علم فقہ سے متعلق ہے اور فقیہ وہ ہے جس کے اندر ایسا علم پایا جاتا ہے اس بنا پر (راویان حدیث) سے مقصود ومراد درحقیقت فقہا و علمائے دین ہیں ہم نے جو وضاحت لفظ (حوادث واقعہ) (و رواۃ حدیث) کے بارے میں پیش کی اس کو مد نظر رکھتے ہوئے توقیع شریف جو امام زمانہ (عج) نے بیان فرمائی ہے سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے مراد (وہ مسائل و مشکلات ہیں کہ جو غیبت امام زمانہ (عج) میں اسلامی معاشرے کے لئے پیش آئیں عوام کو چاہیئے کہ ان میں فقہا و علمائے دین کی طرف رجوع کریں اس لئے کہ جیسا کہ امام زمانہ (عج) نے فرمایا وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں ان پر خدا کی حجت ہوں ، ایسے جملے کی دلالت ولایت فقیہ کے لئے بہت واضح اور روشن ہے ۔

دوسری نقلی دلیل:دوسری روایت کہ جس کو ولایت فقیہ کے اثبات کے لئے سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، وہ حدیث ہے جو مقبولہ عمر بن حنظلہ کے نام سے مشہور ہے اس حدیث میں امام صادقؑ عوام کے اختلافات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی طرف رجوع کرو جو مشکلات کے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور مسلمانوں پر حاکم ہو،آپ اس طرح فرماتے ہیں ۔ ''مَن کَانَ مِنْکُمْ قَدْ رَوَی حَدِیْثَنَا وَنَظَرَ فِی حَلَالِنَا وَ حَرَامِنَا وَ عَرَفَ اَحْکَامَنَا فَلْیَرْضَوْا بِہٖ حَکَمًا فَاِنِّي قَدْ جَعَلْتُہٗ عَلَیْکُمْ حَاکِمًا فَاِذَا حَکَمَ بِحُکْمِنَا فَلَمْ یَقْبَلْہُ مِنْہُ فَاِنَّمَا اِسْتَخَفَّ بِحُکْمِ اللّٰہِ وَ عَلَیْنَا رَدَّ وَالرَّادُّ عَلَیْنَا کَالرَّادِّ عَلیٰ اللّٰہِ وَھُوَ عَلیٰ حَدِّ الشِّرْکِ بِاللّٰہِ''[1] ''تم میں سے جو کوئی ہماری حدیث کا راوی ہو اور ہمارے حلال وحرام پر تحقیق کرے اور اہل نظر ہو اور ہمارے احکام کی معرفت رکھتا ہو اس کو قاضی اور فیصلہ کرنے والے کے عنوان سے قبول کرلو بیشک میں نے اس کو تمہارے اوپر حاکم قرار دیا ہے پس اگر وہ کوئی حکم دے اور تم قبول نہ کرو توخدا کے حکم کو سبک سمجھاہے اور ہمارے حکم کو رد کیا ہے اور جو کوئی ہمیں رد کرے اس نے خدا کو رد کردیا ہے اور خدا کو رد کرنا خداوند عالم کے شرک کی حد تک ہے ''واضح ہے کہ روایت کی یہ عبارت : ''قَدْ رَوَی حَدِیْثَنَا وَ نَظَرَ فِی حَلَالِنَا وَ حَرَامِنَا وَ عَرَفَ اَحْکَامَنَا '' یہ جملہ احکام و دینی مسائل کے علم کے سلسلہ میں مجتہد کے علاوہ کسی اور پر قابل تطبیق نہیں ہے اور یقیناًامامؑ کی مراد فقہا و علمائے دین ہیں کہ حضرت نے ان کو عوام پر حاکم کے طور پر پہچنوایا ہے اور فقیہ کے حکم کو اپنے حکم جیسا قرار دیا ہے ؛ اور یہ بھی واضح ہے کہ معصومؑ کے حکم کو اپنے حکم جیسا قرار دیا ہے؛ نیزیہ بھی واضح ہے کہ معصوم کے حکم کی اطاعت واجب اور ضروری ہے لہٰذا فقیہ کے حکم کی بھی اطاعت واجب اور ضروری ہے اور جیسا کہ خود امامؑ نے فرمایا: کہ فقیہ کی حاکمیت یا حکم کو رد کرنا اسی طرح ہے جس طرح امام معصومؑ کی حاکمیت اور حکم کو رد کیا جائے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے جو بخشے جانے کے قابل نہیں ہے ؛اس لئے کہ امام معصوم ٢٢٢کے حکم کو قبول نہ کرنا عیناً خدا کی تشریعی حاکمیت کو رد کرنا ،اور قبول نہ کرنا ہے کہ روایت میں اس کو گناہ اور شرک کی حد تک قرار دیا گیا ہے اور شرک کے بارے میں قرآن مجید میں ہے ۔

---

[1] اصول کافی ، ج١۔ص٦٧ ؛وسائل الشیعہ ،ج ١٨ ،ص ٩٨۔

''اِنَ الشِّرکَ لَظُلمٌ عَظِیمٌ[۱]'' ''بیشک شرک بہت بڑا گناہ ہے'' اِنَ اللہَ لاَ یَغفِرُ اَن یُشرَکَ بِہِ وَ یَغفِرُ مَا دُونَ ذَلِکَ لِمَن یَشَاءُ[۲]'' ''خدا اس جرم کو تو البتہ نہیں معاف کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے ہاں! اس کے سوا جو گناہ ہو جس کو چاہے معاف کردے ''

مورد بحث روایت سے استدلال میں معمولاً جو اعتراض سامنے آتا ہے وہ یہ کہ روایت ایک سوال کے جواب میں صادر ہوئی ہے کہ راوی نے امامؑ سے حقوقی مسئلہ اور شیعوں کے درمیان جو اختلافات پیش آتے ہیں ان کے بارے میں سوال کیا ہے کہ ایسی صورت میں ہماری ذمہ داری کیا ہے؟

آیا حکومت کے غاصب،بنی عباس کی طرف سے جو قاضی ہیں ان کی طرف رجوع کریں یا ہماری کچھ اور ذمہ داری ہے ؛ اور حضرت نے ایسے ہی سوال کے جواب میں یہ حدیث بیان کی ہے ؛ اور مقبولہ عمر بن حنظلہ در حقیقت قضاوت کے مسئلہ اور عدلیہ کے احکام کے بارے میں ہے کہ جو حکومت کا صرف ایک جزء ہے (حالانکہ ولایت فقیہ کی بحث میں حکومت کے تمام امور شامل ہیں اور احکام اسلامی کا اجرا ہونا نیز فقیہ کی حاکمیت اور اسلامی معاشرے کی زندگی کے تمام جوانب سے مربوط ہے) چونکہ یہ روایت حق حاکمیت اور امور قضائی سے مربوط ،ولایت فقیہ کے حق کو ثابت کرتی ہے لہٰذا صرف عدلیہ سے مربوط امور پر دلالت کرے گی ۔ لیکن اس اعتراض کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ اولاً صحیح ہے کہ راوی کا سوال عدلیہ کے امور سے مربوط ہے لیکن علم فقہ میں مشہور ہے کہ ہر جگہ پر ایسا نہیں ہے کہ سوال کا خاص ہونا باعث ہو کہ جواب صرف اسی خاص مورد سے مخصوص ہو ،اور اسی دائرہ میں محدود اور دوسرے موارد کو شامل نہ ہو ،بلکہ ممکن ہے اگر چہ ایک خاص مورد میں سوال ہوا ہو لیکن جو جواب دیا گیا ہے وہ عام اور کلی بھی ہوسکتا ہے، مثال کے طور پر نماز کے بارے میں بہت سی روایتیں ہیں کہ راوی نے سوال کیا کہ اگر ایک آدمی نماز پڑھنے میں مشغول ہے اور اس کو کسی طرح شک لاحق ہو تو کسی بھی فقیہ نے نہیں کہا ہے کہ امام ؑنے اس سوال کا جو جواب دیا ہے وہ صرف مرد نماز پڑھنے والے کو شامل ہے ،بلکہ عیناً یہی مسئلہ نماز پڑھنے والی عورت کے ساتھ پیش آجائے اس کا حکم اس روایت سے استفادہ

---

[۱] لقمان ۔۱۳
[۲] نساء ،۴۸

نہیں کر سکتے ہیں اور چاہیئے کہ دوسری روایت تلاش کریں ،بلکہ اس طرح کی روایتوں کے سلسلہ میں فقہا کا رویہ یہ ہے کہ اگر چہ یہ روایت ظاہراً صرف مرد کے لئے ہے لیکن عورت کو بھی شامل ہے یعنی نماز پڑھنے والے مرد کے بارے میں سوال ہوا ہے لیکن جو جواب امام ۔ نے فرمایا ہے وہ ہر نماز پڑھنے والے کو شامل ہے چاہے مرد ہو یا عورت ۔ ثانیاً : مقبولہ عمر بن حنظلہ میں بھی امامؑ نے اسی طرح فرمایا ہے '' رَوَی حَدِیْثَنَا وَ نَظَرَ فِي حَلاٰلِنَا وَ حَرَاْمِنَا وَعَرَفَ اَحْکَاْمَنَا '' ہم نے تم پر حاکم قرار دیا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تم پر قاضی قرار دیا ہے اور اس میں فرق ہے کہ امام ۔فرمائیں ''جَعَلْتُہٗ عَلَیْکُمْ حَاکِمًا ''یا یہ فرمائیں کہ ''جَعَلْتُہٗ عَلَیْکُمْ قَاضِیًا ''لفظ (حاکم) کا اطلاق و عموم ہونا ہر طرح کی حکومت و اقتدار کو شامل ہے ۔

بہر حال ادلہ عقلی و نقلی پر توجہ رکھتے ہوئے کہ جن کے چند نمونے ہم نے پیش کئے ہمارے لحاظ سے اس میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا ہے کہ امام زمانہ (عج) کی غیبت کے زمانے میں فقیہ جامع الشرائط کو خدا وند عالم اور امام معصومؑ کی طرف سے حکومت و اقتدار کا حق ہے ،اور اقتدار کی اجازت فقیہ کو دی گئی ہے اور ہر وہ حکومت کہ جس کی باگ ڈور فقیہ کے ہاتھ میں نہ ہو اور اس حکومت کے امور فقیہ کی اجازت کے بغیر انجام پائیں، چاہے کوئی بھی حکومت ہو وہ ظالم اور طاغوت کی حکومت ہے اور ایسی حکومت کی مدد کرنا بھی حرام ہے ،اسی طرح جب فقیہ کے لئے ایسے زمینے فراہم ہوجائیں کہ وہ حکومت تشکیل دے تووہ دلیلیں جو ہم نے پیش کی ہیں ان کے مطابق اس کی اطاعت واجب اوراس کی حکومت و اقتدار کی مخالفت کرنا حرام ہے اس لئے کہ امامؑ نے فرمایا : ''فَھُوَ حُجَّتِيْ عَلَیْکُمْ ''وہ تم پر ہماری طرف سے حجت ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے '' : فَاِذَا حَکَمَ بِحُکْمِنَا فَلَمْ یَقْبَلْہُ مِنْہُ فَاِنَّمَا اِسْتَخَفَّ بِحُکْمِ اللّٰہِ وَ عَلَیْنَا رَدَّ '' پس جب کبھی وہ کوئی حکم کرے اور تم اس کے حکم پر عمل نہ کرو تم نے خدا کے حکم کو سبک سمجھا ہے اور ہماری مخالفت کی ہے یہ اسی کے مثل ہے کہ اگر امیرالمومنینؑ اپنی حکومت میں کسی شخص کو کسی علاقہ میں حاکم منصوب کرتے اس کی بھی اطاعت واجب ہوتی اور اس کی مخالفت امیرالمومنینؑ کی مخالفت شمار کی جاتی، مثلاً اگر حضرت علیؑ نے مالک اشتر کو مصر کی حکومت کے لئے منصوب کیا تھا کسی کو حق حاصل نہیں تھا کہ مالک اشتر کے حکم کی مخالفت کرتا اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ حضرت علیؑ

نے مالک اشتر کو حکومت کے لئے معین کیا ہے اور ان کو حکومت کرنے کا حکم دیا ہے لیکن چونکہ مالک اشتر معصوم نہیں ہیں اور وہ خود حضرت علیؑ تو نہیں ہیں لہذا مالک اشتر کی اطاعت واجب نہیں ہے اور اگر چہ مالک اشتر نے اپنی حکومت کے حدود میں حکم دیا ہے یا قانون وضع کیا ہے پھر بھی میں مخالفت کروں گا، نیز شرعی لحاظ سے اس مخالفت میں کوئی اشکال نہیں ہے واضح ہے کہ ایسی بات ا ور استدلال باطل اور غلط ہے اورمالک اشتر کی مخالفت کہ جن کو علیؑ نے منصوب فرمایا ہے یقیناً جائز نہیں ہے جو دلیلیں ہم نے ذکر کی ہیں ان کا بھی مفاد یہی ہے کہ اس زمانے میں فقیہ خدا وند عالم و امام زمانہ کا نمائندہ اور ان کی طرف سے منسوب حاکم ہے اور جیسا کہ خود امامؑ نے بھی فرمایا : کہ اس کی مخالفت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے ۔

پانچویں فصل

فقیہ کی ولایت مطلقہ کا مفہوم

گزشتہ فصل میں اثبات ولایت فقیہ کے لئے جو دلیلیں ہم نے ذکر کی ہیں وہ اقضا کرتی ہیں کہ ولایت فقیہ مطلق ہو اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ تمام اختیارات جو ائمہ معصومین کے لئے معاشرے میں ولی امر کے عنوان سے ہیں وہ فقیہ کے لئے بھی ثابت ہوں اس لحاظ سے ولی فقیہ کے لئے کوئی حد و حصر نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی دلیل آئے جو یہ ثابت کرے کہ امام معصومؑ کے اختیارات میں سے بعض اختیار ولی فقیہ کو نہیں دئے گئے ہیں جیسا کہ جہاد ابتدائی کے بارے میں دلیل موجود ہے اور شیعوں کے مشہور فقہا کا نظریہ یہ ہے کہ جہاد ابتدائی کا اختیار امام معصومؑ سے مخصوص ہے لیکن ان موارد کے علاوہ (کہ جن کی تعداد بہت کم ہے) ولایت فقیہ ،ولایت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آئمہ معصومین ؑسے کوئی فرق نہیں رکھتی ہے ،اور یہ وہی چیز ہے کہ جس کو (ولایت مطلقہ فقیہ) سے تعبیر کیا جاتا ہے ،جمہوری اسلامی ایران کے بانی حضرت امام خمینیؒ بھی فرماتے تھے کہ '' ولایت فقیہ وہی ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ''ولایت فقیہ کے مسئلہ میں ایک اعتراض جو کبھی کلی طور پر اور کبھی خاص طور پر لفظ (مطلقہ) پر بیان ہوتا ہے یہ ہے کہ کہتے ہیں ولایت فقیہ خاص کر ولایت مطلقہ فقیہ یہ وہی ظلم و استبداد کی حکومت ہے ولایت مطلقہ فقیہ یعنی ڈکٹیٹر شب ؛ یعنی جس وقت فقیہ کو حکومت مل گئی اس وقت اس کا جو دل چاہے انجام دے ۔

اس کا جو دل چاہے حکم دے جس کو چاہے عزل یا نصب کرے مختصر یہ کہ مطلق اختیار رکھتا ہے اور اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہتے ہیں کہ حکومت کی دو قسمیں ہیں ایک لبرل حکومت ہے ،(یعنی عوام کے ووٹ کے مطابق)دوسری حکومت فاشیسٹ ہے ،یعنی خود شخص حاکم کے نظریہ کے مطابق ہو اور آپ نے حکومت ولایت فقیہ کے بارے میں جو بیان کیا ہے اس کے مطابق یہ ایک لبرل حکومت نہیں ہے لہذا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ یہ ایک فاشیٹی حکومت ہے ۔ اس شبہ کے

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حکومت کی صرف دو قسم کرنا (یعنی لبرل و فاشیسٹ) غلط ہے اور ہمارے نظریہ کے مطابق حکومت کی تیسری قسم بھی متصور ہے کہ حاکم نہ یہ کہ عوام کے سلیقہ اور چاہت کے مطابق عمل کرے (یعنی لبرل حکومت) بلکہ خدا وند عالم کے ارادہ کے مطابق اسلامی حکومت کا حاکم حکومت کرتا ہے اور الٰہی قانون و احکام کے مطابق عمل کرتا ہے اور حکومت ولایت فقیہ یہی تیسری قسم ہے لہٰذا یہ حکومت فاشیٹی نہیں ہے ۔اس وضاحت کے بعد یہ بھی روشن ہوجاتا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ولایت مطلقہ فقیہ سے مراد یہ ہے کہ فقیہ کا جو بھی دل چاہے انجام دے اور اس کا جو دل چاہے حکم کرے اس کو مطلق اختیار حاصل ہے اور اس سے کوئی سوال نہیں کرسکتا ،مزید حقیقت روشن ہوجاتی ہے کہ یہ کہنا غلط ہے اس مطلب میں یہ لوگ لفظ ''مطلقہ'' کو صحیح طریقے سے سمجھ نہیں پائے ہیں البتہ کچھ لوگوں نے یہ مطلب کسی خاص غرض کی وجہ سے جان بوجھ کر پیش کیا ہے ۔

بہر حال اس مقام پر ضروری ہے کہ اس مغالطہ کو رفع دفع کرنے لئے لفظ مطلقہ جو(ولایت مطلقہ فقیہ میں آیا ہے)اس کی وضاحت کی جائے ولایت مطلقہ فقیہ میں جو لفظ مطلق آیا ہے وہ چند نکات کی طرف اشارہ ہے البتہ وہ نکات بھی آپس میں ربط رکھتے ہیں ذیل میں ہم ان نکات کو بیان کررہے ہیں ،ان نکات میں سے ایک یہ ہے کہ ولایت مطلقہ فقیہ ولایت محدود کے مقابل میں ہے ،اس لئے کہ ظالم بادشاہوں کے زمانے میں فقہا کو محدود ولایت حاصل تھی ،اس کی وضاحت یہ ہے کہ : انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پہلے ظالم حکومت کے زمانے میں (عدم بسط ید) کا زمانہ تعبیر کیا جاتا تھا ،اور شیعہ فقہا کے لئے ان ظالم حکومتوں کی وجہ سے بہت سی محدودیتیں اور موانع تھے جس کی وجہ سے وہ معاشرے کے امور میں مداخلت نہیں کر سکتے تھے اور معاشرتی امور کے بارے میں حکومت سے چھپ کر بعض سوالات فقہا سے ان کے مقلدین کرتے تھے مثلاً ازدواج ، طلاق ، وقف ، اور حقوقی امور کے بعض اختلافات میں فقہا کی طرف رجوع کرتے تھے فقہا بھی اس ولایت کی بنیاد پر جو ان کو حاصل تھی ان امور کو انجام دیتے تھے لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اس ولایت کو عمل میں لانے کے سلسلہ میں فقہا کو محدودیت تھی ان کو اختیار نہیں تھا (شرعاً جو ان کا حق تھا اور جس کا اختیار ان کو خداوند عالم اور آئمہ معصومین کی طرف سے عطا ہوا تھا)کہ معاشرے کے امور میں مداخلت کرتے،

ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اور امام خمینیؒ کے توسط سے اسلامی حکومت کے تشکیل پانے کے بعد فقھا کو اپنی حاکمیت اور اقتدار کا زمینہ فراہم ہوگیا اور مرحوم امام خمینیؒ جو اس حکومت کے سربراہ تھے ان کو یہ قدرت حاصل ہوگئی کہ ولایت فقیہ کے دائرہ میں جو چیزیں قرار پاتی ہیں ان میں مداخلت کریں اور اپنے اسلامی اقتدار و حاکمیت کو نافذ کریں، اس زمانے میں فقیہ کو وہ مطلق اختیارات حاصل ہوگئے جو صاحب شریعت اور جہان وانسان کے مالک نے عطا کئے تھے، لہٰذا ان کو عملی جامہ پہنایا گیا اور ظالم بادشاہوں کے زمانے میں جو محدودیتیں تھیں اب وہ ختم ہو چکی تھیں، اس بنا پر، ولایت مطلقہ فقیہ، فقیہ کی محدود ولایت کے مقابلے میں ہے کہ جو ظالم باددشاہوں کی حکومتوں میں محدود تھیں، اور یہ روشن و واضح ہوگیا کہ ولایت مطلقہ فقیہ، ڈکٹیٹر شپ واستبداد سے کوئی ربط نہیں رکھتی ہے ۔

دوسرا نکتہ کہ جس کی طرف ولایت مطلقہ فقیہ اشارہ کرتی ہے یہ ہے کہ جس وقت فقیہ، حکومت کا سربراہ ہوتا ہے اس وقت اس کے لئے وہ تمام حقوقی اختیارات ہوتے ہیں جو حکومت کو چلانے کے لئے لازم و ضروری ہیں اس لحاظ سے اس میں اور امام معصومؑ میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی وہ حقوق و اختیارات جو حکومت کو چلانے کے لئے ضروری ہیں فقیہ کو حاصل ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی کہے کہ یہ صرف امام معصومؑ سے مخصوص ہے یعنی اگر خود امام معصومؑ حکومت کا سربراہ ہو تو وہ ان اختیارات سے استفادہ کرسکتا ہے لیکن فقیہ ان اختیارات سے استفادہ نہیں کرسکتا ہے واضح ہے کہ یہ بات قابل قبول نہیں ہے اس لئے فرض یہ ہے کہ یہ حقوق واختیارات ان میں سے ہیں جو معاشرے کے ادارہ کے لئے لازم و ضروری ہیں اور ان اختیارات کے نہ ہونے کی وجہ سے امور معاشرہ کو انجام دینے میں خلل واقع ہوسکتا ہے اور حاکم بغیر اس کے اپنی ذمہ داری یعنی معاشرے کے ادارہ کو بخوبی انجام نہیں دے سکتا ہے اس بنا پر عقلاً کسی طرح امام معصومؑ اور فقیہ کے درمیان اس سلسلہ میں فرق کا قائل ہونا صحیح نہیں ہے، اور اگر اس سلسلہ میں فقیہ کے اختیارات میں محدیت کے قائل ہوگئے اس وقت عوام کی مصلحت اور اسلامی معاشرے کے منافع ضایع ہوجائیں گے لہٰذا ضروری ہے کہ فقیہ بھی امام معصومؑ کی طرح ان حقوق و اختیارات کو مطلق طور پر رکھتا ہو اور یہ دوسرا نکتہ بھی

ولایت میں لفظ مطلقہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پھر بھی یہ روشن وواضح ہے کہ یہ مسئلہ بھی پہلے مسئلہ کی طرح حکومت فاشیٹی سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے اور یہ حکومت و اقتدار کی ماہیت و حقیقت کو ختم نہیں کرتا ہے ۔بلکہ ایک واضح عقلی مسلم امر ہے کہ جس کو، دوسری حکومتوں نے بھی قبول کیا ہے ۔دوسرا مطلب جس کی طرف ولایت مطلقہ فقیہ کا اشارہ ہے وہ اس سوال کے سلسلہ میں ہے کہ ،آیا ولی فقیہ کے اختیارات صرف ان مقامات پر منحصر ہیں کہ جہاں ناچاری اور مجبوری پائی جائے یا یہ کہ اگر اس مسئلہ میں ناچاری و مجبوری نہ ہو بلکہ عقلی و عقلائی رجحان پایا جائے پھر بھی ولی فقیہ کو تصرف کرنے کی اجازت ہے ؟اس مطلب کی وضاحت کے لئے ایک مثال کا ذکر کرنا مناسب ہے: ۱۔ فرض کریں شہر میں ٹرافیک زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو دشوریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہونیز دشواریاں اس وجہ سے ہوں کہ شہر میں سڑکیں کم ہوں اور جو سڑکیں شہر میں موجود ہیں وہ بھی چوڑی نہیں ہوں، مختصر یہ کہ ان موجودہ سڑکوں سے معاشرے کی ضرورتیں پوری نہیں ہو پارہی ہوں اور انجینیریوں کے فیصلے کے مطابق ایک یا اس سے زیادہ مزید سڑکیں بنوانا ضروری ہوں یا شہر کی ہوا اتنی آلودہ ہو کہ ڈاکٹروں اور اس امر میں متخصص اشخاص نے شہر میں درختوں اور پارکوں کے وجود کو ضروری قرار دے دیا ہو اگر پارک یا درخت نہ لگائے جائیں تو شہر میں بیماریوں کے پھیلنے کا خطرہ لاحق ہو ،ایسے مواقع پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ولی فقیہ اپنے حکومتی اختیارات کی بنیاد پر یہ حکم نافذ کر سکتا ہے کہ نئی سڑکیں اور پارک بنوائے جائیں اگر چہ اس کی وجہ سے کچھ لوگوں کی ملکیتوں اور گھروں پر تصرف بھی کرنا پڑے ،یعنی اگر ان کے مالک اس کے باوجود کہ ان کے نقصانات کا حکومت معاوضہ دے رہی ہو پھر بھی وہ راضی نہ ہوں ایسی صورت میں سماج کی مصلحت کو محفوظ کرنے کے لئے ان کے گھروں اور ملکیوں میں تصرف کیا جا سکتا ہے ۔

۲۔ اس بار فرض کریں کہ شہر کو خوبصورت بنانے کے لئے ایک پارک یا چوراہا بنایا جائے لیکن یہاں پر پہلے فرض کی طرح ایسی وضیعت نہیں ہے کہ اگر یہ کام انجام نہ دیا جائے ٹرافیک کی مشکل یا شہر میں بیماریوں کے پھیلنے کا مسئلہ ہو ،بلکہ یوں کہا جائے کہ گزشتہ مثال کے برخلاف اس مثال میں ضرورت اور مجبوری کے تحت ایسا فعل انجام نہیں پا رہا ہے ۔نیز اس چوراہے یا پارک کے

بننے کی وجہ سے کچھ لوگوں کے گھر یا دکانیں منہدم کرنی پڑیں گی یعنی ان کی ملکیوں میں تصرف کرنا پڑے گا ، باوجود اس کے کہ حکومت ان کے مالکوں کو جو بھی نقصان ہوں ان سب کا معاوضہ دینے کو تیار ہو پھر بھی کچھ لوگ راضی نہ ہورہے ہوں کیا ایسی صورت میں ولی فقیہ کو اختیار ہے کہ ان کے مالکوں کے راضی نہ ہونے کے باوجود یہ حکم نافذ کرے کہ پارک یا چوراہا بنایا جائے ؛ ہاں فقیہ کی مطلق ولایت کا مطلب یہ ہے کہ صرف مجبوری اور ناچاری کی صورت میں اس کو اختیارات حاصل نہیں ہیں بلکہ مطلق ولایت حاصل ہے یعنی اگر ناچاری و مجبوری بھی نہ ہو لیکن عقلی و عقلائی توجیہ پائی جاتی ہو ایسے موارد اس کے اختیارات میں شامل ہیں اور ضروری نہیں ہے کہ (سڑک یا پارک یا چوراہا بنانے کے لئے) پہلے فرض کے موارد میں سے ہو بلکہ اگر فرض دوم میں سے بھی ہو ولی فقیہ کو تصرف کا حق حاصل ہے اور اس کی ولایت کا دائرہ ان موارد کو بھی شامل ہے البتہ واضح اور روشن ہے کہ ایسے مطلق اختیارات کا قبول کرنا استبداد ڈیکٹیٹر شپ اور فاشیزم میں سے ہر گز نہیں ہے ۔

جو ہم بیان کرنے جارہے ہیں ان توضیحات سے اب یہ روشن اور واضح ہو جائے گا کہ ولایت فقیہ و ولایت مطلقہ فقیہ کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ فقیہ بغیر کسی معیار کے اپنے سلیقہ اور ہوا و ہوس کی بنیاد پر حکومت کرتا ہے ، بلکہ ولی فقیہ اسلامی احکام کا اجرا کرنے والا ہے اور اس کی حکومت کا شرعی جواز اسی کی وجہ سے ہے کہ مقدس شریعت اسلام کے احکام کو اجرا کرے اور معاشرے کی مصلحتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام کے بتائے ہوئے احکام کو اجرا کرکے سماج کو کمال تک پہونچائے ؛ اس بنا پر واضح ہے کہ فقیہ جو فیصلہ کرتا ہے ، مثلاً کسی کو حکومت کے عہدے کے لئے منتخب کرنا یا عزل کرنا وغیرہ ۔

نیز حکومت کے لئے جو کوئی بھی کام فقیہ انجام دیتا ہے وہ سب اسلام کے احکام کے مطابق اور اسلامی معاشرے کی مصلحت میں خدا کی رضا و خشنودی کے لئے ہوتا ہے ، اور ایسا ہی ہونا چاہیئے ، لیکن اگر فقیہ اس معیار و ملاک سے عدول کر جائے ایسی صورت میں اس کے اختیارات سلب ہو جائیں گے اور پھر وہ خود بخود ولی فقیہ نہیں رہ جائے گا اس کے نتیجہ میں اس کا کوئی فیصلہ یا حکم قابل اطاعت نہیں رہ جائے گا ۔ اس بنیاد پر حقیقت میں ولایت فقیہ کو ولایت قانون کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ ولی فقیہ پر ضروری ہے کہ

اسلام کے بتائے ہوئے قوانین کے دائرہ میں عمل کرے ، اس دائرہ سے باہر کسی کام کے انجام دینے کا اس کو حق حاصل نہیں ہے، جیسا کہ پیغمبر اکرم ۲۴۹ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآئمہ معصوم بھی اسلام کے بتائے ہوئے قوانین سے باہر کوئی حکم نہیں دیتے تھے لہذا ولایت فقیہ کی حکومت کو (قانون کی حکومت) کہا جاسکتا ہے البتہ یہ بھی مد نظر رہے کہ قانون سے ہماری مراد دین اسلام کا قانون ہے اور ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ چوتھی فصل میں ہم نے بیان کیا تھا کہ ولی فقیہ کے شرائط میں سے ایک شرط اس کا عادل ہونا ہے اور عادل وہی شخص ہے جو خدا کے امر ونہی پر عمل کرے نہ یہ کہ اپنی خواہش پر عمل کرے ، جب ہم نے ولی فقیہ کے لئے یہ صفت بیان کردی توجن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ولی فقیہ اپنی من مانی جو چاہے دوسروں پر حکم کرتا ہے ، ان کی بات کا بطلان واضح اور روشن ہوجاتا ہے ؛بلکہ کہنا یہ چاہیئے ولی فقیہ عادل یعنی وہ شخص کہ جو دین کے احکام اور خدا کے ارادہ کے مطابق حکومت کرتا ہے ۔

لیکن اسلام اور روحانیت کے دشمنوں نے اپنی تقریروں اور کتابوں میں اس نظریہ پر جھوٹے الزامات لگائے ہیں مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ ولایت مطلقہ فقیہ کے معنی یہ ہیں کہ فقیہ کو تمام چیزوں پر اختیار حاصل ہے یہاں تک کہ فقیہ کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ توحید کا انکار کردے یا توحید کو بدل ڈالے یا فقیہ یہ کہہ سکتا ہے کہ دین میں نماز نہیں ہے وغیرہ یہ ایسی باتیں ہیں جو اسلامی حکومت کے دشمنوں، نیز اپنے ذاتی فوائد کو نظر میں رکھنے والوں نے نظریہ ولایت فقیہ کی طرف نسبت دے دی ہے حالانکہ کسی نے نظریہ ولایت فقیہ کے سلسلہ میں ایسی باتوں کو قبول نہیں کیا ہے اور ایسی بات قابل قبول بھی نہیں ہے اس لئے کہ فقیہ کا سب سے پہلا کام اسلام کی حفاظت کرنا ہے ۔کیا بغیر توحید کے اسلام باقی رہ سکتا ہے ،کیا بغیر نبوت کے اسلام باقی رہ سکتاہے ،کیا اسلام نماز وروزہ اور دوسری ضروریات دین کے بغیر باقی رہ سکتا ہے ؟اگر اسلام سے ان چیزوں کو نکال دیاجائے پھر اسلام میں کیا رہ جائے گا جس کی فقیہ حفاظت کرے گا ۔ اس طرح کے شبہوں کا ذہن میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض موارد میں فقیہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اہم پر عمل کرنے کا اور مہم کو چھوڑنے کا حکم دے مثلاً اگر کسی وجہ سے یہ مسئلہ پیش آجائے کہ حج پر جانے کی وجہ سے معاشرے کا نقصان ہوسکتاہے اس صورت میں فقیہ کو حق حاصل ہے کہ حکم دیدے کہ اس سال حج پر نہ جائیں ، حالانکہ عوام میں کچھ لوگ مستطیع ہیں پھر بھی

اہم مسائل کو اخذ کرنے کے لئے مہم کو چھوڑنا ضروری ہے، یا مثلاً نماز کا اول وقت ہو لیکن شواہد و قرائن سے معلوم ہوجائے کہ دشمن حملہ کرنے والا ہے لہٰذا فوجیوں کو بالکل تیار رہنا چاہیئے اس موقع پر فقیہ کو حق حاصل ہے کہ حکم دیدے کہ اس وقت نماز پڑھنا حرام ہے اس مثال میں یہ حق صرف ولی فقیہ کو ہی نہیں ہے بلکہ فوج کا سردار جس کو ولی فقیہ نے منصوب کیا ہے اگر ایسا موقع پیش آجائے اس کو بھی حق حاصل ہے کہ فوجیوں کو حکم دے کہ نماز تاخیر سے پڑھیں، لیکن یہ تمام باتیں اس کے برخلاف ہیں کہ جو دشمنوں نے نظریہ ولایت فقیہ پر جھوٹا الزام لگا رکھا ہے اس لئے کہ فقیہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اصلاً نماز یا حج واجب نہیں ہے، یا یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ آج کے دن سے اسلام میں نمازا ورحج واجب نہیں ہیں بلکہ ان موارد میں فقیہ کو صرف اتنا اختیار حاصل ہے کہ جہاں پر اہم اور مہم کا مسئلہ پیش آجائے ولی فقیہ حکم دے سکتا ہے کہ اہم کو انجام دیا جائے، اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

بلکہ شیعہ تمام فقہا نے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور ہم سب کو یہ معلوم ہے کہ مہم پر اہم کو مقدم کرنا چاہیئے، اس سلسلہ میں یہ ایک مشہور مثال ہے کہ جو اکثر فقہی کتابوں میں ذکر ہوئی ہے : اگر اتفاقاً ایسا مسئلہ پیش آجائے کہ آپ کے پڑوسی کے گھر کے حوض میں کوئی بچہ غرق ہورہاہو اور گھر کا مالک بھی موجود نہ ہو اور اس بچہ کی جان بچانے کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہو کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل ہوا جائے ،حالانکہ فقہی اعتبار سے یہ دوسرے کی ملکیت میں تصرف اور غصب ہے لہٰذ احرام ہے، آیا ایسے مقام میں کوئی کہہ سکتا ہے ، چونکہ مجھے اس گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے لہٰذا اس بچہ کو ہلاک ہونے سے بچانے کے لئے کوئی اقدام نہیں کروں گا ؛ کوئی بھی عاقل اس میں شک نہیں کرے گا کہ ضروری ہے کہ بچہ کی جان بچائی جائے ، یہاں تک کہ اگر گھر کا مالک بھی موجود ہو اور وہ اجازت نہ دے اور وہ خود بھی جان بچانے لئے اقدام نہ کرے ایسی صورت میں اس کی اجازت کی اعتنا کئے بغیر ضروری ہے کہ بچہ کو ہلاک ہونے سے بچایا جائے، اس قضیہ میں دومسئلہ ہے ایک یہ کہ دوسرے کی ملکیت میں بغیر اجازت کے تصرف جوکہ حرام ہے دوسرے یہ کہ مسلمان کی جان بچانا واجب ہے اور یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ دونوں مسئلوں پر عمل کیا جائے یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پر اہم و مہم کو دیکھنا ہوتاہے جو اہم ہو اس کو انجام دینا ضروری

ہے لہٰذا دوسری تکلیف کو چھوڑنے پر ہم مجبور ہیں ، فقہی اصطلاح میں اس کام کو '' اہم کو مہم پر مقدم کرنا '' کہا جاتا ہے کہ درحقیقت یہ عقلانی مسئلہ ہے اور صرف شریعت سے مربوط نہیں ہے ۔حج اور نماز کی جو مثال ہم نے پیش کی اس میں بھی فقیہ حج پر جانے سے روکنے یا نماز کو اسکے اول وقت سے تاخیر کرنے میں اسی معیار کی بنیاد پر حکم صادر کرتا ہے ، نہ یہ کہ اپنی ہوا و ہوس اور جو اس کا دل چاہے اس کے مطابق حکم صادر کرے ۔بہر حال ہم نے جو وضاحت پیش کی ہے اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ولایت مطلقہ فقیہ کا صحیح معنی کیا ہے ،اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ولایت فقیہ کسی بھی صورت میں استبداد اور ڈکٹاٹوری یا اس کے مثل میں سے نہیں ہے ،اور دشمنوں نے جو ولایت مطلقہ فقیہ کے بارے میں کہا ہے وہ سب جھوٹ اور تہمت ہے ۔

ولایت فقیہ اور اساسی قانون

ایک مسئلہ جو ولایت مطلقہ فقیہ کی بحث میں پیش کیا جاتا ہے یہ ہے کہ ولایت فقیہ اور قانون اساسی کے درمیان کیا رابطہ پایا جاتا ہے درحقیقت یہ مطلب ولایت مطلقہ فقیہ میں جو لفظ (مطلقہ) ہے اس کی وضاحت سے مربوط ہے ، لہٰذا اس مطلب کی وضاحت گزشتہ بحث میں ولایت مطلقہ فقیہ کے عنوان سے بیان ہونی چاہیئے تھی لیکن چونکہ یہ مسئلہ کچھ زیادہ ہی اہمیت رکھتا ہے ،اور زیادہ تر لوگ اسی بحث میں شبہہ کا شکار ہوتے ہیں اور ان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے لہٰذا ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بحث کو مستقل طریقہ پر ذکر کریں ،اس سلسلہ میں جو سوالات ہوتے ہیں ممکن ہے مختلف طریقوں سے ہوں لیکن ان سب کی حقیقت ایک چیز اور ایک سوال کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے ،مندرجہ ذیل سطروں میں جو سوالات رائج ہیں ہم بیان کررہے ہیں: کیا ولایت فقیہ قانون اساسی پر بھی حاکم ہے ؟

کیا ولی فقیہ قانون اساسی کے دائرہ میں اپنے وظیفوں پر عمل کرتا ہے یا اس دائرہ سے باہر بھی عمل کرسکتا ہے ؟آیا ولی فقیہ ان وظائف اور اختیارات کی مخالفت کرسکتا ہے جو ملک کے اساسی قانون میں اس کے لئے معین ہیں ؟آیا ایران کے اساسی قانون کے (مادہ نمبر ۱۱۰) میں ولی فقیہ کے لئے جو اختیارات ذکر ہوئے ہیں وہ اختیارات صرف انھیں میں منحصر ہیں اساسی جو قانون میں لکھا ہے

یا یہ اختیارات ،بعنوان مثال ذکر ہوئے ہیں یعنی انھیں پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ بھی اختیارات ولی فقیہ کو حاصل ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا کہ یہ سوالات ظاہراً مختلف طریقوں سے ہوئے ہیں لیکن حقیقت میں سب کی بر گشت ایک سوال کی طرف ہے ۔اور ان سب سوالات کا جواب اس وقت مل جائے گا جب ذیل میں ہم اساسی قانون اور ولایت فقیہ کے درمیان رابطہ کی وضاحت کریں گے ،اس مطلب پر توجہ ضروری ہے کہ ،اس کتاب کی گزشتہ بحثوں کی طرح اس بحث میں بھی ہم نے کوشش کی ہے کہ بحث علمی اور محکم دلیل کے ساتھ بیان ہو لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش ہے

کہ آسان لفظوں میں مطالب کو بیان کیا جائے اور علمی وفنی اصطلاحات سے پرہیز کیا جائے تا کہ مطالب عام فہم ہوں اور خاص و عام استفادہ کر سکیں سب سے پہلی بات جس پر توجہ ضروری ہے یہ ہے کہ اگر کسی کے ذہن میںیہ مطلب ہو کہ ولی فقیہ کے لئے کوئی قانون نہیں ہے اور ولی فقیہ کا اساسی قانون سے بڑھ کر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے اصلاً کوئی قانون نہیں ہے لہٰذا جو کچھ بھی اس کا دل چاہے انجام دے اور کوئی قانون اس کو محدود نہیں کر سکتا ہے اور ولایت فقیہ کے مطلق ہونے کا یہی معنی ہے کہ اس کے لئے کوئی قاعدہ و قانون نہیں ،ایسی صورت میں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ تصور یقیناً غلط اور باطل ہے، گزشتہ بحث میں بھی ہم نے بیان کیا تھا کہ ولی فقیہ کو اسلامی احکام کے دائرہ میں رہ کر عمل کرنا ہوتا ہے ، ولایت فقیہ کی حکومت تشکیل دینے کا مقصد یہی ہے کہ اسلامی احکام کو اجرا کیا جائے، لیکن اگر ولی فقیہ ایک مقام میں بھی جان بوجھ کر اسلامی احکام اور معاشرے کی مصلحت کے خلاف عمل کرے ایسی صورت میں وہ ولایت و رہبری کے عہدے سے خود بخود معزول ہوجاتا ہے ،اسلام میں ایسا ولی فقیہ ہے ہی نہیں کہ جس کے لئے کوئی قاعدہ و قانون نہ ہو ۔

لیکن جیسا کہ ابتدائے بحث میں روشن اور واضح ہوگیا کہ قوانین سے مراد وضع شدہ قوانین ہیں کہ ان میں ملک کا اساسی قانون بھی شامل ہے ، لہٰذااس سوال کے جواب کے لئے بحث کے ابتدائی مطالب کو شرعی جواز کا معیار قرار دیں ،اور وہ یہ ہے کہ اصولاً کس دلیل کے تحت ایک قانون کی رعایت اور اس پر عمل کرنا ہم پر لازم و ضروری ہے ۔آیا ہر قانون پر صرف اس لئے کہ قانون ہے اس

پر عمل کرنا ضروری ہے ؟ اس کتاب میں جو بحثیں ہم نے بیان کی ہیں ان کو نظر میں رکھتے ہوئے اجمالی طور پر واضح ہو چکا ہے کہ کسی قانون کا اعتبار اسی وقت ہے جب وہ خدا وند عالم کی طرف سے معین ہوا ہو یعنی اگر قانون خدا وند عالم اور دین کی طرف سے ہو اس وقت اعتبار رکھتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتو ہمارے نظریہ کے مطابق اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری بھی نہیں ہے اس بنیاد پر اگر کسی قانون کو ایک ملک کے عوام یا پوری دنیا قبول کرے لیکن اس کی نسبت خد اوند عالم کی طرف نہ ہو ہمارے نظریہ کے مطابق ایسا قانون معتبر نہیں ہے اور ہم پر ضروری نہیں ہے کہ اس قانون پر عمل کریں یہ قاعدہ ہمارے ملک کے بارے میں بھی ہے ،یعنی ہر قانون چاہے وہ ملک کا اساسی قانون ہی کیوں نہ ہو اگر اس میں خدا اور دین کی تائید نہ ہوتو ہمارے نظریہ کے مطابق اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس کے نتیجہ میں اس پر عمل کرنا بھی ہم پر ضروری نہیں ہے

جیسا کہ ظالم بادشاہ کی حکومت میں جو قوانین تھے ان کے بارے میں بھی یہی حکم تھا اور ہم ان قوانین کے لئے کسی قیمت و اعتبار کے قائل نہیں تھے ۔اس بنیاد پر ایسے قوانین کا کوئی اعتبار نہیں ہے اگر چہ اس قانون کی موافقت میں عوام نے ووٹ بھی دیا ہو ، البتہ جن لوگوں نے اس قانون کی موافقت میں ووٹ دیا ہے اخلاقی لحاظ سے ان پر عمل کرنا ضروری ہے لیکن جن لوگوں نے اس قانون کی موافقت میں وو ٹ نہیں دیا ہے ان پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے ، جنھوں نے ووٹ دیا ہے صرف اخلاقی لحاظ سے انھوں نے عمل کرنے کا عہد کیا ہے البتہ شرعی اور حقوقی لحاظ سے ان پر بھی عمل کرنا واجب نہیں ہے البتہ یہ اجمالی بحث ہم نے پیش کی ہے اس کی تفصیلی بحث فلسفہ حقوق و فلسفہ سیاست سے مربوط ہے اور ہماری بحث میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ان مطالب کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں بہر حال اس کتاب کی گزشتہ بحثوں سے یہ مطلب واضح اور روشن ہوگیا ہے کہ اگر ہم اسلامی جمہوریہ ایران کے اساسی قوانین کو معتبر مانتے ہیں ، اس لحاظ سے نہیں مانتے ہیں کہ ایک ملک کا اساسی قانون ہے اور اکثر لوگوں نے اس کی موافقت میں ووٹ دیا ہے بلکہ اس وجہ سے معتبر مانتے ہیں کہ ان اساسی قانون کو ولی فقیہ کی طرف سے تائید حاصل ہے ،اور ہمارے عقیدے کے مطابق ولی فقیہ کو امام زمانے (عج) نے منصوب کیا ہے اور امام زمانہ (عج) کو خدا وند عالم نے منصوب کیا ہے ،جیسا کہ

مقبولہ عمر بن حنظلہ میں امامؑ نے فرمایا ہے : کہ ولی فقیہ کے حکم کو رد کرنا امام معصومؑ کے حکم کو رد کرنے کے مترادف ہے ، اور اگر قانون اس کے برخلاف ہو یعنی ولی فقیہ کی تائید حاصل نہ ہو ایسی صورت میں ملک کے اساسی قانون کا کوئی اعتبار نہیں ہے ملک کے اساسی قانون پر عمل کرنے کے لئے اگر اس جہت سے تاکید کی جاتی ہے کہ ملت کے سربلندی کا سبب ہے یہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ملک کے اساسی قانون کو ولی فقیہ نے شرعی جواز عطا کیا ہے ، ولی فقیہ ملک کے اساسی قانون کو شرعی جواز عطا کرتا ہے ۔ نہ یہ کہ ملک کا اساسی قانون ولایت فقیہ کو اعتبار عطا کرتا ہے گزشتہ بحثوں میں بھی ہم نے بیان کیا کہ ولی فقیہ حکومت کا شرعی جواز عوام کے ووٹ سے حاصل نہیں کرتا ہے ، بلکہ ولی فقیہ نے حکومت کا شرعی جواز خدا وند عالم و امام زمانہ (عج) سے حاصل کیا ہے ، اس مسئلہ میں اہم بحث یہی تھی کہ جو ہم نے بیان کی ہے ، چونکہ خدا وند متعال ، انسان و جہان کا حقیقی مالک ہے لہٰذا اس کی ملکیت میں جو بھی تصرف کرنا ہو اس کی اجازت کے ساتھ ہونا چاہیئے ۔

پس ولی فقیہ کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ خداوند عالم اور امام زمانہ (عج) کی اذن و اجازت کی وجہ سے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ولی فقیہ کو یہ اختیارات ملک کے اساسی قانون نے عطا کیا ہو بلکہ ملک کے اساسی قانون کا اعتبار بھی ولی فقیہ کی اجازت سے ہوتا ہے ۔ ہم نے اب تک جو کچھ بیان کیا اس سے واضح اور روشن ہوگیا کہ ولی فقیہ ، خدا وند عالم کے حکم اور قانون سے بڑھ کر ہرگز نہیں ہے لیکن جو ہم نے بیان کیا کہ ولی فقیہ ملک کے اساسی قانون سے مافوق ہے جو وضاحت ہم نے پیش کی ہے اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ ولی فقیہ ملک کے اساسی قانون پر حاکم ہے ، نیز اساسی قانون ولی فقیہ پر حاکم نہیں ہے ، یہ بھی واضح اور روشن ہوگیا کہ ملک کے اساسی قانون میں ولی فقیہ کے لئے جو اختیارات درج ہیں وہ بطور مثال ہیں لہٰذا جو اختیارات لکھے ہیں صرف انھیں تک محدود نہیں ہیں ، یعنی اساسی قانون میں ولی فقیہ کی صرف انھیں ذمہ داریوں اور اختیارات کو لکھا گیا ہے جن کی عام طور پر ضرورت پڑتی رہتی ہے نہ یہ کہ تمام اختیارات کو لکھا گیا ہو ، بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ولی فقیہ کے جو اختیارات ملک کے اساسی قانون میں درج ہیں وہ عام حالات کے لئے ہیں نیز جو اختیارات اساسی قانون میں لکھے گئے ہیں ان میں سے سب کو عمل میں لانے

کی ولی فقیہ کو ضرورت نہیں پڑتی ہے ۔ لیکن اگر معاشرے میں اضطراری حالات پیش آجائیں اس وقت ولی فقیہ اپنی ولایت کے ذریعہ حکم جاری کرسکتا ہے اگرچہ ملک کے اساسی قانون میں ولی فقیہ کے لئے وہ اختیارات نہ لکھے ہوں البتہ خود قانون اساسی میں بھی ولایت فقیہ کے مطلق ہونے کے بارے درج ہوا ہے، لہٰذا یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ولی فقیہ کے اختیارات تمثیلی ہیں احصائی نہیں ہیں یہی کافی ہے، کہ اساسی قانون میں ولی فقیہ کا مطلق اختیار درج ہے اس لئے کہ اگر مطلق اختیار کو قبول نہ کیا جائے اس وقت اساسی قانون میں جو لفظ (مطلقہ) آیا ہے وہ لغو ہوجائے گا ،اور اگر اس بات کو نظر میں رکھا جائے کی ۶۸ھ ش میں بررسی و تحقیق کے بعد جو لفظ مطلق اضافہ کیا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ ملک کے اساسی قانون گزار کا اس لفظ کے لانے میں کوئی خاص مقصد تھا اور مقصد یہی ہے کہ ملک کے اساسی قانون میں ولی فقیہ کے جو اختیارات لکھے ہیں انھیں میں محدود نہیں ہے، بلکہ یہ جو لکھے ہوئے ہیں یہ عام حالات کے لئے ہیں لیکن اگر اضطراری حالات پیش آجائیں تو ولی فقیہ کو اختیار ہے

کہ مقتضائے حال کے مطابق اقدام کرے حضرت امام خمینیؒ نے بھی اس سلسلہ میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس میں بھی ایسے شواہد موجود ہیں کہ ولایت فقیہ کا دائرہ انھیں درج شدہ قوانین پر منحصر نہیں ہے جو اساسی قانون میں آیا ہے، مثال کے طور پر انھوں نے حکم دیا ہے کہ مجمع تشخیص مصلحت نظام یعنی ملک کے حفاظت کی کمیٹی تشکیل دی جائے حالانکہ اس وقت اساسی قانون میں یہ عہدہ موجود نہیں تھا اور اساسی قانون کے مطابق ولی فقیہ کے اختیارات میں سے یہ نہیں تھا لیکن حضرت امام خمینیؒ نے ولایت مطلقہ کے عنوان سے یہ حکم صادر کیا ۔

اسی طرح اساسی قانون میں ''شورای عالی انقلاب فرہنگی'' کے عنوان سے کوئی چیز نہیں تھی لیکن امام خمینیؒ نے ولایت مطلقہ فقیہ کے عنوان سے حکم دیا کہ یہ محکمہ تشکیل دیا جائے ،اور اس محکمہ کے افراد کو معین بھی کیا ۔یا اسی طرح صدر جمہوریہ کے بارے میں اساسی قانون میں لکھا تھا کہ ولی فقیہ (رہبر) عوام کے ووٹ کو صدر جمہوریہ کے لئے تائید کرتا ہے ۔یعنی عوام نے جو ووٹ دیا ہے

وہی حجت ہے اور ولی فقیہ (رہبر) صرف اس کی تائید کرتا ہے لیکن امام خمینیؒ نے اس صدر جمہوریہ کے بارے میں، کہ جس کو عوام نے منتخب کیا تھا اس کے وزیر آعظم ہونے کے حکم میں لکھا کہ میں ان کو منصوب کرتا ہوں[1]۔

ا۔ یہ موارد جو ذکر ہوئے ہیں ان میں امام خمینیؒ نے، جو اساسی قانون میں آیا تھا اس کے مخالف حکم دیا ہے اس لئے کہ اساسی قانون میں یہ نہیں تھا کہ ولی فقیہ (رہبر)وزیر اعظم کو منصوب کرتا ہے، اگر ان موارد کو نظر انداز بھی کر دیا جائے پھر بھی حضرت امام خمینیؒ کی تقاریر اور ان کے مکتوبات میں موجود ہے کہ وہ تھیوری کے لحاظ سے فقیہ کی مطلق ولایت کے قائل تھے ۔یعنی فقیہ کو اختیار ہے کہ شریعت کے بتائے ہوئے قوانین وا حکام کے مطابق معاشرے کی مصلحتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر وہ امر جو حکومت چلانے کے لئے ضروری ہے ۔اور ضرورت کے مطابق ہے حکم صادر کرے گزشتہ بحثوں میں بھی ہم نے بیان کیا کہ وہ دلیلیں جن کے ذریعہ ولایت فقیہ کا اثبات ہوتا ہے وہی دلیلیں فقیہ کی ولایت کو مطلق ہونے پر بھی دلالت کرتی ہیں، اور کوئی آیت یا روایت ،برہان و دلیل، ولی فقیہ کے اختیارات کو ملک کے اساسی قانون پر محدود ہونے کے بارے میں دلالت نہیں کرتی ہے ۔

مرجعیت اور ولایت فقیہ

نظریہ ولایت فقیہ کے سلسلہ میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ ولی فقیہ کے علاوہ جو مراجع تقلید و مجتہدین ہیں ولی فقیہ کی زیر نگرانی حکومت میں ان کا کیا مقام ہے، آیا ایک طرف ولی فقیہ اور دوسری طرف مراجع تقلید کے درمیان تعارض نہیں ہوگا ؟آیا نظریہ ولایت فقیہ کو قبول کرنے کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ صرف ایک مرجع قبول کیا جائے اور دوسرے مراجع تقلید کو قبول نہیں کیا جائے ؟اگر ایسا نہ ہو بلکہ تھیوری کے لحاظ سے ولی فقیہ ہونے کے با وجود عوام دوسرے مجتہدین کی بھی تقلید کر سکتے ہوں نیز ولی فقیہ اور دوسرے مراجع کے درمیان اختلاف ہو جائے اس وقت دوسرے مراجع کے مقلدین کی کیا ذمہ داری ہے ؟کیا یہ ممکن ہے کہ دوسرے مراجع کے فتووں اور ولی فقیہ کی اطاعت کو جمع کیا جا سکے ؟اس طرح کے اور دوسرے سوالات بھی ہوتے ہیں، گزشتہ بحثوں کی طرح اس

---

[1] صحیفہ نور ،ج۱۵ ،ص۷۶۔

سوال میں بھی تمام سوالوں کی برگشت ایک حقیقت کی طرف ہے اور وہ یہ ہے کہ (مرجعیت اور ولایت فقیہ کے درمیان جو رابطہ پایا جاتا ہے اس کی وضاحت کی جائے اور جب مرجعیت اور ولایت فقیہ کے درمیان رابطہ کی وضاحت ہوجائے گی اس وقت ان تمام سوالات اور ان جیسے سوالات کا جواب معلوم ہوجائے گا ۔ مرجعیت اور ولایت فقیہ کے درمیان رابطہ کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ تقلید اور مراجع کے کام کی حقیقت و ماہیت کی تحقیق کی جائے نیز ولی فقیہ کے کام کی ماہیت و حقیقت کی بھی تحقیق کی جائے اور ان کے درمیان فرق کو واضح کیا جائے اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ حکم اور فتویٰ کے درمیان کیا فرق ہے ۔ مسئلہ تقلید کی حقیقت وماہیت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں عوام کی ذمہ داری یہ ہے کہ دین کے مسائل میں ، اس مصداق کے عنوان سے کہ غیراسپشلسٹ، اسپشلسٹ کی طرف رجوع کرے اس لئے کہ بشر کی زندگی کے دوسرے موارد میں بھی ایسا ہی ہے اس مطلب کی وضاحت : جیسا کہ واضح ہے کہ ہر شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام علوم و فنون میں مہارت حاصل کر سکے لہٰذا طبیعی طور پر عقل کے حکم کے مطابق ضروری ہے کہ جن علوم وفنون میں شخص مہارت نہیں رکھتا ہے لیکن اس کی نیاز رکھتا ہے اس علم و فن میں ماہر شخص کی طرف رجوع کرے ، مثال کے طور پر کوئی چاہتا ہے کہ گھر بنوائے لیکن وہ انجینئر یا معمار نہیں ہے ایسی صورت میں وہ گھر کا نقشہ بنوانے کے لئے انجینئر یا معمار کی طرف رجوع کرتا ہے ، اس میں لوہا لگوانے کے لئے ویلڈر ، کمروں کا دروازہ اور الماری بنوانے کے لئے بڑھئی، بجلی کے تار لگوانے ، پانی اور گیس کا پائپ لگوانے کے لئے ان افراد کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس میں مہارت رکھتے ہیں اور ان کاموں کی ذمہ داری ان کے حوالے کر دیتا ہے یا جس وقت کوئی شخص مریض ہوجاتا ہے اس وقت بیماری کی تشخیص اور دوا کے لئے علم فن کے ماہر افراد جو اس کو حکم دیتے ہیں وہ شخص ان پر عمل کرتا ہے ، مثلاً ڈاکٹر کہتا ہے یہ گولی روزانہ تین بار ، یہ سیرپ دو چمچہ، کیپسول روزانہ ایک عدد کھاؤ لیکن اس کے مقابل میں بیمار، ڈاکٹر سے یہ بحث نہیں کرنے لگتا ہے کہ میں یہ گولی کیوں کھاؤ ں ؟ یہ سیرپ کیوں پیو ں ؟ یہ گولی روزانہ کیوں ایک بار اور دوسری صرف ایک بار کھاؤں وغیرہ ؟ اس طرح کے نمونے دنیا میں روزانہ لاکھوں کی تعداد میں دیکھے جاتے ہیں، ان سب کی وجہ ایک عقلی و عقلائی قاعدہ ہے کہ جس کا

نام (غیرا سپشلسٹ کاا سپشلسٹ کی طرف رجوع کرنا ہے) یعنی جو شخص جس چیز میں مہارت نہیں رکھتا ہے اس میں اس شخص کی طرف رجوع کرتا ہے کہ جو اس علم و فن میں ماہر ہوتا ہے.بشر کی زندگی میں یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے.بلکہ ہزاروں سال سے موجود ہے اسلامی معاشرے میں بھی ایک مسلمان کو جس کام سے ہمیشہ سروکار ہے اور اس کی ضرورت ہے وہ شریعت کے مسائل اور دینی احکام کا جاننا ہے ،اور اگر وہ شخص ان شرعی احکام کو خود حل نہیں کر سکتا ہے ضروری ہے کہ جو افراد شریعت کے احکام کو اخذ کرنے میں ماہر ہیں یعنی اس علم و فن میں مہارت رکھتے ہیں اور وہ علماء و مراجع کرام ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ان کی طرف رجوع کرے اور وہ جو حکم دیں ان کو اپنے عمل کا معیار قرار دے ۔

پس در حقیقت شرعی مسائل کو حل کرنے میں مہارت رکھنا اجتہاد ہے اور تقلید یہ ہے کہ شریعت کے احکام کو جاننے کے لئے اس علم و فن کے ماہر شخص کی طرف رجوع کرنا ، مجتہد اور مرجع تقلید جو کام انجام دیتا ہے یہ ہے کہ اپنے علم کے ذریعہ شریعت کے احکام کو اخذ کرتا ہے تقلید کے مسئلہ کی یہی حقیقت و ماہیت ہے ،جو ہم نے اوپر بیان کی ہے ۔ لیکن ولایت فقیہ کا مسئلہ ،تقلید کی بحث سے الگ ہے ، ولایت فقیہ کے مسئلہ میں حکومت اور معاشرے کے امور کو ادارہ کرنے کی بات ہے ولایت فقیہ یہ ہے کہ عقلی و نقلی دلیلوں کے ذریعہ ہم نے یہ نتیجہ حاصل کیا ہے کہ معاشرے کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے کہ جس کے ہاتھ میں حکومت کا اقتدار ہو اور معاشرتی امور میں جو وہ حکم دے اس پر عمل کیا جائے اور قانونی طور پر اس کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہو ،واضح رہے کہ معاشرتی زندگی میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے سلیقہ کے مطابق عمل کرے بلکہ ضروری ہے کہ ایک قانون ہو جس کی سب پیروی کریں ورنہ معاشرے میں ہرج و مرج لازم آئے گا ،مثال کے طور پر سماجی امور میں یہ ممکن نہیں کہ چوراہے سے گاڑیوں کے عبور کرنے کے لئے ایک شخص کہے کہ میں ہری بتی کو دوسرا کہے کہ زرد رنگ کی بتی کو تیسرا کہے کہ میں لال رنگ کی بتی کو عبور کی علامت قرار دیتا ہوں بلکہ ضروری ہے کہ ایک رنگ کو معین کیا جائے اور سب اس کی رعایت کریں ، معاشرے کے تمام مسائل میں ایسا ہی ہے کہ سب ایک قانون پر عمل کریں ، اس بنیاد پر ولی فقیہ کی حکومت میں بھی جو محکمے امور کو انجام دیتے ہیں ان کا وہی

کام ہے، جو دوسری حکومتیں بھی انجام دیتی ہیں ۔ واضح اور روشن ہے کہ حکومت کا کام صرف نظریہ پیش کرنا نہیں ہے بلکہ قانون کا وضع کرنا اور ان کا اجرا کرنا ہے، دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ حکومت اور ولی فقیہ کے کام کی حقیقت و ماہیت یہ ہے کہ جو وہ حکم دے اس پر عمل کرنا معاشرے کے لئے ضروری ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ حکومت ہی نہیں ہے یہ اس مقام کے برخلاف ہے کہ اگر ہم کسی شخص سے اس کا نظریہ معلوم کریں مثال کے طور پر جس وقت مریض ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتا ہے ڈاکٹر اس کے لئے نسخہ لکھتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ خون وغیرہ کی جانچ کی جائے ایسی صورت میں مریض پر کوئی زبر دستی نہیں ہے کہ ڈاکٹر کے حکم پر عمل کرے بلکہ اس کو اختیار ہے کہ ان پر عمل کرے یا نہ کرے ،اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کو اس جرم میں،کہ اس سے دوا نہیں کھائی یا خون وغیرہ کی جانچ نہیں کرائی جرمانہ لگائے یا جیل میں ڈال دے ۔

جب یہ روشن اور واضح ہوگیا کہ مجتہد اور ولی فقیہ کے کام کی حقیقت و ماہیت کیا ہے اور ان دونوں میں کیا فرق ہے لہٰذا اب ہم فتویٰ اور حکم کی ماہیت کو بھی بیان کر سکتے ہیں اور ان کے درمیان فرق کو واضح کر سکتے ہیں، مجتہد و مرجع تقلید کا کام فتویٰ دینا ہے، مرجع تقلید اس عنوان سے کہ احکام شرعیہ کو ان کے منابع سے اخذ کر سکتا ہے اور ہمارے لئے مسائل کو بیان کرتا ہے، مثال کے طور پر کس طرح نماز پڑھیں، کس طرح روزہ رکھیں ،اس بنیاد پر فتویٰ اس کو کہتے ہیں کہ مرجع تقلید اسلام کے کلی احکام اور مسائل کو بیان کرتا ہے دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ مرجع تقلید کا کام اسی طرح ہے جس طرح ہر علم و فن کے ماہر اشخاص کا کام ان امور کو انجام دینا ہے ،یعنی ان امور میں ارشاد و راہنمائی کرنا ہے ،ان اشخاص کے اختیار میں حکومت نہیں ہے کہ لوگوں کو عمل کرنے پر مجبور کریں، مرجع تقلید صرف یہی کہتا ہے کہ اگر اسلام کے احکام جاننا چاہتے ہو تو اسلام کے احکام یہ ہیں لیکن یہ کہ کوئی ان احکام پر عمل کرے یا نہ کرے، خود اشخاص سے مربوط ہے مرجع تقلید سے ربط نہیں رکھتا ہے، مرجع تقلید سے صرف ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں آپ کا فتویٰ کیا ہے ؟ لیکن ولی فقیہ کا مسئلہ اس سے جدا ہے ولی فقیہ سے جب سوال ہوتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کا حکم کیا ہے ؟ یعنی ولی فقیہ کا کام صرف فتویٰ دینا نہیں ہے،بلکہ حکم نافذ کرنا ہے (حکم) اسے کہتے ہیں کہ ولی

فقیہ سماجی امور میں خاص مقامات پر حاکم شرع ہونے کے عنوان سے صادر کرتا ہے ،یا دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ مرجع تقلید کا فتویٰ عام طور سے کلی عناوین پر ہوتا ہے اور اس کے مصداق کو مشخص کرنا عوام کے ذمہ ہوتا ہے ، مثلاً عالم خارج میں ایک چیز ہے جس کو شراب کہا جاتا ہے ، شراب ایک کلی عنوان ہے جو متعدد مصادیق پر صدق کرتا ہے ، مرجع تقلید فتویٰ دیتا ہے کلی عنوان کے تحت (شراب) کا پینا حرام ہے ، فرض کریں ایک گلاس میں سرخ رنگ کی کوئی بہنے والی چیز ہے لیکن ہم نہیں جانتے ہیں کہ یہ شئ شراب ہے یا شربت روح افزا ہے مرجع تقلید کا کام نہیں ہے کہ مشخص کرے کہ یہ شراب ہے یا شربت ،بلکہ یہ مقلّد کا کام ہے ،یہاں تک کہ اگر مرجع تقلید بھی کہے کہ یہ شربت روح افزا ہے مرجع تقلید کی اس تشخیص سے مکلف پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اس کے لئے شرعی تکلیف ثابت نہیں ہوگی یہ مطلب جو ہم نے بیان کیا فقہ کی وہی معروف عبارت ہے کہ فقہ میں کہتے ہیں (موضوع کو مشخص کرنے کے لئے فقیہ کی رائے حجیت نہیں رکھتی ہے) قاعدتاً فقیہ کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ مشخص کرے کہ یہ شراب ہے یا شربت روح افزا ہے ؛ بلکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا فقیہ ان دوچیزوں کے بارے میں کلی حکم بیان کرتا ہے یعنی فتویٰ دیتا ہے کہ شراب کاپینا حرام ہے اور شربت روح افزا کا پینا حلال ہے اور مقلد کی ذمہ داری ہے کہ تشخیص دے کہ یہ سیّال چیز شراب ہے یا روح افزا کا شربت ہے یا مثال کے طور پر مرجع تقلید فتویٰ دے (کہ اگر اسلامی ملک کی سرحدوں پر دشمن حملہ کردیں اور صرف مردوں کے سرحدوں پر حاضر ہونے سے ملک کی حفاظت نہیں ہوسکتی ہے ایسی صورت میں ضروری ہے کہ عورتیں بھی سرحدوں کی حفاظت کے لئے جائیں اس وقت عورتوں پر بھی واجب ہے کہ اسلامی ملک کی حفاظت کے لئے سرحدوں پر جائیں) مرجع تقلید کی ذمہ داری صرف یہی ہے کہ کلی حکم کو بیان کردے، لیکن یہ مشخص کرنا کہ اس جنگ میں دفاع کے لئے مرد کافی ہیں یا عورتوں کی بھی ضرورت ہے ،یہ ذمہ داری خود مقلدین کی ہے ۔ لیکن ولی فقیہ کا دائرہ اس سے وسیع ہے مثال میں جو مقلدین کی ذمہ داری تھی ،ولی فقیہ خود مشخص کرسکتا ہے کہ عورتیں بھی جنگ میں شرکت کریں یا نہ ،اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ ولی فقیہ کا کام صرف احکام کا بیان کرنا ہے موضوع کا مشخص کرنا عوام کا کام ہے چونکہ ولی فقیہ کا کام صرف احکام کا بیان کرنا ہے موضوع کا مشخص کرنا عوام کا

کام ہے لہٰذا ولی فقیہ نے جو مشخص کیا ہے میرے لئے حجیت نہیں رکھتا ہے ۔بلکہ سبھی لوگوں پر ضروری ہے کہ اس پر عمل کریں جو ولی فقیہ نے مشخص کیا ہے مثال کے طور پر ولی فقیہ حکم دے کہ ملک کی سرحدوں پر اس وقت عورتوں کا حاضر ہونا ضروری ہے ؛ ایسی صورت میں عورتوں کا سرحدوں پر حاضر ہونا واجب ہے، یہ وہی مسئلہ ہے کہ جس کو حکومتی، یا احکام ولایتی سے تعبیر کیا جاتاہے ،اور یہ مطلب اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فتویٰ وحکم میں بہت زیادہ فرق ہے، بحث کے اس مقام پر اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ ہمارے عرف میں یہ رائج ہے کہ کسی مجتہد کے فتویٰ کو اس کے حکم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے نماز کا یہ حکم ہے یا حجاب کے بارے میں یہ حکم ہے لیکن اس بات پر توجہ ضروری ہے کہ ان موارد میں جو لفظ حکم استعمال ہوتا ہے اور ولی فقیہ کے بارے میں جو لفظ حکم ہے ان دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے ۔

گزشتہ بحثوں سے واضح اور روشن ہوگیا کہ مرجع تقلید کی طرف رجوع کرنا اس جہت سے ہے کہ وہ اسلامی احکام کو دلیلوں سے اخذ کرنے میں علمی مہارت رکھتا ہے اور اس علم وفن میں ماہر اور اہل خبرہ ہے،اور متخصص و اہل خبرہ کو تشخیص دینے میں ہر شخص آزاد ہے کہ جس شخص کو وہ بہتر و افضل تشخیص دے اس کی تقلید کرے، لہٰذا تقلید کے مسئلہ میں ہر شخص کو اختیار ہے کہ خود تحقیق و جستجو کرکے جس کو تشخیص دے کہ وہ اعلم ہے اور دوسروں سے افضل و بہتر ہے اس کی تقلید کرے، اور اس میں بھی کوئی مانع ومشکل نہیں ہے کہ ایک وقت میں متعدد مراجع تقلید ہوں،اور معاشرے کا ہر گروہ اپنے شرعی مسائل میں ان میں سے کسی ایک کے نظریہ کے مطابق عمل کرے۔ لیکن ان سماجی امور میں کہ جو حکومت سے مربوط ہیں ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے کہ ہر شخص جس کی چاہے پیروی کرے مثال کے طور پر اگر ٹرافیک اور ڈرائیورنگ کے مسئلہ میں ہر گروہ اپنے نظریہ کے مطابق بنائے ہوئے قانون پر عمل کرے اس وقت ہرج ومرج لازم آئے گا کسی بھی عقلمند انسان کے لئے پوشیدہ نہیں ہے کہ اگر سماجی مسائل میں قانون اجرا کرنے والے متعدد افراد ہوں اور ہر شخص آزاد ہو کہ جس کے بنائے قانون پر عمل قبول کرنا چاہے کرے ایسی صورت میں پورا معا شرہ ہرج ومرج کا شکار ہو جائے گا لہٰذا سماجی مسائل اور سماج کے ادارہ کرنے کے لیئے ایک ہی شخص معین ہونا چاہئے اور نظریہ

ولایت فقیہ میں جس شخص کے حکم پر سب کو عمل کرنا ضروری ہے اس کو ولی فقیہ کہا جاتا ہے یہاں تک کہ دوسرے فقہا کو بھی ان امور میں عمل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ مراجع کرام فقہا نے لکھا اور کہا ہے کہ اگر حاکم شرع کوئی حکم دے کسی فقیہ کو بھی حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کرے اور اس سلسلہ میں جو بہت ہی مشہور و معروف مقام جس کے بارے میں گزشتہ بحثوں میں ہم نے اشارہ کیا ہے وہ حرمت تمباکو کا قضیہ ہے کہ مرحوم میرزا شیرازی نے جس وقت یہ حکم دیا کہ تمباکو استعمال کرنا حرام ہے اور جو کوئی اس کی مخالفت کرے گا گویا اس نے امام زمانہ (عج) کی مخالفت کی ہے اس وقت سبھی نے یہاں تک کہ دوسرے علماء و فقہا نے بھی اس حکم پر عمل کیا اس لئے کہ مرحوم میرزا شیرازی نے جو کہا تھا وہ فتویٰ کے عنوان سے نہیں تھا بلکہ ولی فقیہ کے عنوان سے انہوں نے یہ حکم دیا تھا۔

مرجع تقلید اور ولی فقیہ کے کام کی ماہیت اور اس کا فرق جو ہم نے بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرجع تقلید کلی احکام (چاہے وہ انسان کی انفرادی زندگی سے مربوط ہو یا سماجی زندگی) کو بیان کرتا ہے لیکن مصداق کا معین کرنا اس کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ مقلدین کی ذمہ داری ہے۔

لیکن ولی فقیہ کا کام خاص احکام اور معاشرے کی ضرورت کے مطابق احکام کا اجرا کرنا ہے، مرجع تقلید اور ولی فقیہ میں دوسری جہت سے یہ فرق پایا جاتا ہے کہ مرجع تقلید سے کسی چیز کے بارے میں ان کا فتویٰ پوچھا جاتا ہے قاعدتاً مرجع تقلید سے جو سوال ہوتا ہے اس جہت سے ہوتا ہے کہ اسپشلسٹ غیرا سپشلسٹ سے سوال کرتا ہے لیکن ولی فقیہ سے جو سوال ہوتا ہے وہ کسی چیز کے بارے میں اس کا حکم معلوم کیا جاتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں کہا جائے ایک کی شان و منزلت، فتویٰ دینا ہے اور دوسرے کی شان و منزلت حکم دینا ہے، دوسرا نکتہ یہ تھا کہ ایک زمانے میں متعدد مراجع کرام ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ ہر گروہ الگ الگ فقیہ کی تقلید کرے یہ امر صدیوں سے مسلمانوں کے درمیان رائج ہے لیکن وہ فقیہ جو حاکم اور ولی امر کے عنوان سے عمل کرتا ہے ایک شخص سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور اگر ایک ملک میں متعدد ولی فقیہ ہوں معاشرے میں ہرج و مرج لازم آئے گا۔

لیکن کیا ضروری ہے کہ جو شخص ولی فقیہ ہو وہ مرجع تقلید بھی ہو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اصولاً مرجعیت و ولایت کا ایک شخص میں جمع ہونا ضروری نہیں ہے کہ جس فقیہ کے ذمہ ولایت وحکومت کا منصب ہو وہ معاشرے کے تمام افراد یا اکثر افراد کا مرجع تقلید بھی ہو، ولی فقیہ ہونے کے لئے جو چیز ضروری ہے وہ فقاہت و اسلامی احکام کی شناخت ہے، البتہ عملاً یہ ممکن ہے کہ قبل اس کے کہ اس کو ولی فقیہ کا منصب حاصل ہو وہ مرجع تقلید رہا ہو یا یہ بھی ممکن ہے معاشرے کے اکثر افراد اس کے مقلد رہے ہوں جیسا کہ حکومت جمہوری اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی حضرت امام خمینیؒ کے سلسلہ میں ایسا ہی تھا ، لیکن یہ بھی ممکن ہے مرحوم آیۃ اللہ گلپایگانی و مرحوم آیۃ اللہ اراکی کے زمانے کی طرح یہ دو منصب مرجعیت و ولایت ایک شخص میں جمع نہ ہوں ۔ بلکہ معاشرے کے اکثر افراد انفرادی اور اسلام کے کلی مسائل میں کسی مجتہد کی تقلید کریں نیز معاشرے سے مربوط مسائل میں، اور خاص موارد میں حکم نافذ ہونے کے لئے، کسی دوسرے شخص (ولی فقیہ) کی اطاعت وپیروی کریں ۔

ولایت فقیہ یا افقہ

مرجعیت و ولایت فقیہ کی بحث میں جو مسئلہ ممکن ہے ذہن میں آئے اور مورد سوال واقع ہو ،یہ ہے کہ ولایت فقیہ یا افقہ (یعنی کیا ضروری ہے کہ ولی فقیہ دوسرے فقہا سے بہتر و افضل ہو) اس سوال کا جواب اجمالی طور پر گزشتہ بحث میں روشن وواضح ہوچکا ہے لیکن چونکہ اس بحث کی خاص اہمیت ہے لہذا اس پر دقت کے ساتھ بحث کرنا ضروری ہے تاکہ اس بارے میں کوئی شبہ یا سوال باقی نہ رہ جائے، بحث کو شروع کرنے سے پہلے بہتر ہے خود اس سوال کی وضاحت کی جائے تا کہ جواب مکمل طور پر سمجھ میں آجائے، ہر علم وفن میں ایسا ہے کہ اس کے علما جو کہ اس فن کے ماہر ہیں سب علمی لحاظ سے مساوی نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان میں بعض دوسروں پر برتری رکھتے ہیں اور علمی لحاظ سے دوسرے کی بہ نسبت خاص مہارت رکھتے ہیں مثال کے طور پر ایک شہر یا ایک ملک میں دل کے جوا سپشلسٹ ڈاکٹر ہیں ان میں کچھ دوسروں کی بہ نسبت حاذق ڈاکٹر ہوتے ہیں حالانکہ ان سب کے علاج کا طریقہ مشترک ہوتاہے اور سند ومدارک کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سب کی معلومات کی سطح

اور مرض کی تشخیص برابر ہو ، فقہا و مجتہدین کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے یعنی باوجود اس کے کہ وہ سب اجتہاد کی قدرت اور شرعی احکام کے استنباط میں منابع سے استفادہ کرنے میں مساوی ہیں لیکن ہرگز ایسا نہیں ہے کہ اس امر میں ان سب کی علمی قدرت و قوت ایک سطح میں مساوی ہوں بلکہ عام طور پرایسا ہوتا ہے کہ ان میں بعض دوسروں کی بہ نسبت افضل و برتر ہوتے ہیں اس کو علم فقہ کی اصطلاح میں اعلم سے تعبیر کیا جاتا ہے، اکثر فقہا کا یہ نظریہ ہے کہ اعلم کی تقلید واجب ہے اور غیر اعلم کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے ۔ جو توضیح ہم نے بیان کی اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ولی فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ شرعی احکام کے استنباط میں دوسرے فقہا سے بہتر و افضل ہو، فقہ کی اصطلاح میں، کیا ضروری ہے کہ ولی فقیہ دوسرے فقہا سے اعلم و افقہ ہو، یا ولی فقیہ کے لئے یہ شرط ضروری نہیں ہے بلکہ صرف یہی کافی ہے کہ اس کے اندر علمی قدرت پائی جائے اور اجتہاد میں مہارت رکھتا ہو ۔

اس سوال کے جواب میں اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے جیسا کہ ولایت فقیہ کے اثبات میں جو دلیل ہم نے پیش کی ہیں اس میں یہ بھی تھا کہ ولی فقیہ میں، فقیہ ہونے کے علاوہ دو اور خصوصیتوں کا ہونا ضروری ہے ان میں ایک تقویٰ ہے اور دوسرے یہ کہ معاشرہ کو ادارہ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہو کہ اس آخری خصوصیت کے ذیل میں کچھ اور خصوصیتیں تھیں جن کو ہم نے بیان کیا تھا لہٰذا ولایت فقیہ کا معیار صرف فقیہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ چند خصوصیتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور ولی فقیہ کو مشخص کرنے کے لئے ان تمام شرائط و خصوصیتوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے ۔

ان سب خصوصیتوں کو جمع کر کے دیکھا جائے گا جو سب سے افضل و بہتر ہو وہی ولی فقیہ ہے اس کی مثال اسی طرح ہے کہ اگر ہم چاہیں کہ ایک یونیورسٹی کا پرنسپل معین کریں اس کے لئے ہم صرف کوئی ایک معیار معین نہیں کرتے ہیں بلکہ اس عہدہ کے لئے متعدد معیار ہوتے ہیں کہ مندرجہ ذیل ہیں مثلاً ڈاکٹریت کی سند رکھتا ہو اچھا مدرس ہو، یونیورسٹی کے ادارہ کرنے کا کچھ کام انجام دے چکا ہو، استاد اور شاگردوں اور علمی گروہ کے نزدیک مقبولیت رکھتا ہو یہ سب معیار جس کے اندر پائے جائیں اس کو پرنسپل بنایا جاتا

ہے، اگر ہم نے یونیورسٹی کے پرنسپل کے لئے یہ شرطیں معین کی ہیں اس وقت بہت سے اشخاص پرنسپل بننے کے لئے پیش ہوتے ہیں کہ ان میں بعض افراد ایسے ہوتے ہیں کہ جو علمی اور یونیورسٹی مدرس ہونے کے لحاظ سے بہتر ہوتے ہیں مگر یونیورسٹی کے اجرائی کام میں ماہر نہیں ہوتے ہیں کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو اجرائی کام میں ماہر ہوتے ہیں لیکن علمی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں، ان میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتاہے جو علمی لحاظ سے اور اجرائی کام دونوں اعتبار سے قوی ہوتا ہے لیکن دوسروں سے رابطہ برقرار کرنے میں ضعیف ہوتا ہے اور علمی گروہ، شاگردوں اور اساتید کے نزدیک مقبولیت نہیں رکھتا ہے واضح اور روشن ہے کہ ایسے فرد کو منتخب کریں گے جس کے اندر یہ تمام شرائط پائے جائیں اور وہ سب سے بہتر و افضل ہو۔

ولی فقیہ کو منتخب کرنے میں بھی ایسا ہی مسئلہ ہے، یعنی اولاً ایسا شخص ہونا چاہیئے جس کے اندر یہ تین صفات پائے جائیں (فقیہ ہونا، متقی ہونا، اور معاشرے کو ادارہ کر سکے) ثانیاً یہ کہ تین معیار جو بیان کئے ہیں اس میں بھی دوسروں سے برتر و افضل ہو اس لحاظ سے مثلاً اگر کوئی شخص فقیہ ہو اور معاشرے کو ادارہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو لیکن متقی نہ ہو، یا فقیہ ہو اور تقویٰ بھی رکھتا ہو لیکن معاشرے کو ادارہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتایہاں تک کہ اپنے گھر میں پانچ افراد کو بھی صحیح طریقہ سے ادارہ نہ کر پاتا ہو ایسے افراد اصولاً مقام ولایت فقیہ سے خارج ہیں اگر چہ فقہی اعتبار سے اپنے زمانے کے تمام علماسے اعلم و افقہ ہوں اس لئے کہ ہم نے بیان کیا کہ اس مقام کے لئے تینوں شرطوں کا جمع ہونا ضروری ہے، پس درحقیقت ولایت فقیہ یا افقہ کے سوال کو مندرجہ ذیل تین فرضیوں کی صورت میں پیش کر کے جواب دیا جاسکتاہے۔

ا۔ایک شخص ایسا ہو کہ جو اجتہاد و احکام شرعی کے استنباط میں دوسرے فقہا سے برتر و افضل ہو لیکن دوسری دو شرطوں یعنی تقو یٰ اور معاشرے کے ادارہ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو یا ممکن ہے ایسا شخص ہو جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک صفت نہ پائی جاتی ہو، گزشتہ بحثوں سے معلوم ہوگیا کہ اصولا ایسا شخص ولی فقیہ نہیں بن سکتا ہے۔

۲۔ کوئی شخص ایسا ہو کہ جس کے اندر تینوں صفات (فقاہت، تقویٰ اور معاشرے کے ادارہ کرنے کی صلاحیت) دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہو. جو بحث ہم نے پیش کی اس کو مد نظر رکھتے ہوئے واضح و روشن ہے کہ ایسا شخص ولی فقیہ بننے کے صفات رکھتا ہے لیکن یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ کیا ان تمام صفات کو رکھنے والے سے بہتر بھی کوئی شخص ہے یا نہیں؟

۳۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ فقہا و مجتہدین میں ایسے افرادا ہوں کہ جو دو شرطوں یعنی تقویٰ اور معاشرے کو ادارہ کرنے میں مساوی اور ایک سطح کے ہوں لیکن ان میں ایک ایسا شخص بھی ہو کہ جس کی فقاہت دوسرے کی بہ نسبت بہتر اور قوی ہو جو بحثیں بیان کی گئی ان کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسے ہی شخص کو ولی فقیہ بننے کا حق حاصل ہے ، اس بحث کے خاتمہ میں یہ بھی ذکر کرنا مناسب ہے ہم یہ بھی بیان کریں کہ کیا ان صفات کے علاوہ اور دوسری خصوصیات و صفات کا ولی فقیہ میں پایا جانا ضروری ہے ، اس مطلب کی وضاحت : اثبات ولایت فقیہ کی دلیلوں کو جب ہم نے بیان کیا تھا اور اس بحث میں بھی ہم نے اشارتاً بیان کردیا کہ ولایت فقیہ کا مقام حاصل کرنے کے لئے تین شرطوں کا پایا جانا (فقاہت، تقویٰ معاشرے کو ادارہ کرنے کی صلاحیت) ضروری ہے ۔ ممکن ہے کوئی سوال کرے کہ دوسری شرطیں جیسے لشکری امور یا اقصادی امور یااور اس طرح کی دوسری چیزوں میں مہارت کو ولی فقیہ کے لئے شرط کیوں نہیں قرار دیا گیا ہے ؟کیا اس طرح کے صفات و خصوصیت ولی فقیہ میں نہ پائے جانے سے معاشرے کو ادارہ کرنے میں ضعف کا سبب نہیں بن سکتا ہے ؟

کیا ضروری نہیں ہے ایسے شخص کے لئے کہ جس کا منصب و عہدہ بہت ہی اہم ہے ان تین صفات کے علاوہ اور دوسری خصوصیات و شرائط کو بھی لازم قرار دیا جائے؟ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ ولایت فقیہ کا اصلی و اساسی فلسفہ یہ ہے کہ اسلامی احکام و قوانین اجرا ہوں اور اس کے لئے یہ تین شرطیں ہی کافی ہیں اس بنیاد پر واضح ہے کہ جو کوئی شخص نظام ولایت فقیہ میں سب سے بلند عہدے پر فائز ہے اولاً اس کے لئے ضروری کہ اسلامی قوانین کا بخوبی علم رکھتا ہو (شرط فقاہت) ثانیاً عوام بھی اس سے مطمئن ہوں کہ ولی فقیہ شخصی اغراض ا ور پارٹی بازی سے کام انجام نہیں دے گا بلکہ عملی طور پر وہ صرف یہ معیارقرار دے گا کہ

اسلام کی حفاظت اور معاشرے کی مصلحتوں کو محفوظ رکھے اور ہرگز خیانت نہیں کرے گا (شرط تقویٰ) ثالثاً ۔تقویٰ وفقاہت کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سماجی مسائل اور داخلی و خارجی سیاست کو بھی درک کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور معاشرے کو بطور احسن ادارہ کرسکتا ہو (شرط کارآمدی) یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر اس کے اندر یہ تین صفات بحد کمال نہ پائے جائیں احتمال پایا جاتا ہے کہ اس کی رہبری کی وجہ سے معاشرے کا اتنا نقصان ہو جائے کہ جس کی تلافی کرنا ناممکن ہو جائے، لیکن ان صفات کے علاوہ دوسری خصوصیتوں میں ایسا خطرہ نہیں ہے مثال کے طور پر اگر وہ خود فوجی نہیں ہے اور فوجی مسائل کے بارے میں کافی اطلاع نہیں رکھتا ہو ایسی صورت میں ایسے افراد کے مشورہ کے ذریعہ جو ان مسائل میں کافی اطلاع رکھتے ہیں اور امین بھی ہوں مناسبت اور ،مقتضائے حال کے مطابق مصمم ارادہ کرے ،یا اقتصادی مسائل میں ان لوگوں سے مشورہ کرکے جو اقتصادی مسائل میں ماہر ہیں اقتصادی سیاست جیسے مسائل میں فیصلہ کرکے ان کو انجام دے سکتا ہے ،البتہ یہ مسئلہ حکومت ولایت فقیہ کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے ،بلکہ دنیا کی تمام حکومتوں میں ایسا ہی ہے کہ حکومت کے سربراہ کے مشاور ہوتے ہیں ۔

اس زمانے میں بھی دنیا کے کسی گوشہ میں ایسا ہرگز نہیں ہے کہ کسی ملک کا صدر یا وزیر اعظم یا جو کوئی بھی ملک کا اقتدار سنبھالے ہو وہ تمام امور سیاسی ،اقتصادی، حقوقی لشکری وغیرہ میں ماہر ہو اور تنہا خود ہی تمام امور میں فیصلہ کرتا ہو ،اور اصولاًامام معصوم کے علاوہ کسی انسان کے اندر یہ تمام صلاحیتیں جمع نہیں ہو سکتی ہیں، دنیا کے تمام ممالک میں یہ معمول ہے کہ حکومت کے متعدد مشاور ہوتے ہیں کہ جو فیصلہ کرتے ہیں اور مختلف سیاسی امور میں ان کا اہم کردار ہوتا ہے. جمہوری اسلامی ایران میں جو نظام ولایت فقیہ ہے اس حکومت میں بھی (رہبر) علوم و فنون کے ماہر افراد سے مشورہ کرکے فیصلہ کرتا ہے کہ ان میں سے ایک مجمع تشخیص مصلحت نظام ہے کہ جس کے مشوروں پر ولی فقیہ عمل کرتا ہے اور فیصلہ کرکے احکام جاری کرتا ہے ۔

چھٹی فصل

اہل خبرہ کی کمیٹی اور ولایت فقیہ

جب ہم نے ولایت فقیہ کو ثابت کردیا اور ہم نے بیان کیا کہ ولی فقیہ وہی شخص ہوسکتا ہے جو دوسروں سے اصلح اور افضل ہو اور اسلامی حکومت کی رہبری کے لئے امام معصوم سے نزدیک ترین فرد ہو، نظریہ ولایت فقیہ کی وضاحت میں ایک بہت اہم مسئلہ باقی رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے صفات رکھنے والے شخص کو ہم کس طرح منتخب کریں اور کون سا طریقہ اپنائیں کہ فقھاء و مجتہدین میں سے ایسے شخص کو معین کر سکیں جس کے اندر ولی فقیہ ہونے کے تمام شرائط بدرجہ اتم موجود ہوں اس مسئلہ کی تحقیق میں دوسری فرعی بحثیں بھی پیش کی جاتی ہیں کہ اس کتاب کے خاتمہ کے عنوان سے ہم بیان کررہے ہیں اور وہ یہ ہے ہم وضاحت کریں گے کہ ولایت فقیہ اور اہل خبرہ کی کمیٹی کے درمیان کیا رابطہ پایا جاتا ہے۔

اہل خبرہ کی کمیٹی کیوں؟آج کے زمانے میں حکومت اسلامی جمہوریہ ایران ،نظام ولایت فقیہ کے زیر سایہ اپنے خدمات کو پیش کررہی ہے ،اور ولی فقیہ کو معین کرنے کے لئے (مجلس خبرگان) یعنی اہل خبرہ کی کمیٹی ہے. اس بحث میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مسئلہ کو علمی و نظری لحاظ سے بحث و تحقیق کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ طریقہ علمی و استدلالی لحاظ سے صحیح ہے یا نہیں؟ ولی فقیہ کے معین و مشخص ہونے کے لئے مختلف فرضیہ تصور کئے جا سکتے ہیں کہ ان میں سے مندرجہ ذیل ہیں۔

براہ راست عوام کے ووٹ کے ذریعہ، گزشتہ ولی فقیہ کے معین کرنے کے ذریعہ ،اہل خبرہ کی کمیٹی کے ذریعہ ،یا اسلامی پارلیمنٹ کے افراد کے ذریعہ،البتہ دوسرے فرضیے بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے جو سب سے اہم ہیں اور ان کا قبول کرنا آسان ہے اور منطقی و استدلالی دلیلیں بھی اس سلسلہ میں پائی جاتی ہیں یہی تین فرضیے ہیں ا ۔ عوام کے ووٹ کے ذریعہ رہبر کو معین کیا جائے ٢۔ اہل خبرہ کی کمیٹی کے ذریعہ ٣۔ گزشتہ ولی فقیہ کے ذریعہ بعد والے ولی فقیہ کا معین ہونا ،ان تین فرضیوں میں سے بھی پہلے

دو فرضیہ کے بارے میں زیادہ بحثیں پیش کی جاتی ہیں ۔ بہر حال ہمارے گمان کے مطابق ان تین نظریوں کا اعتبار اور اہمیت مشخص ہونے کے بعد دوسرے نظریات کی بھی نقد میسر ہو جائے گی لہٰذا دوسرے فرضیوں کی نقد و بحث کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، سب سے پہلے اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ جس کو ہم نے تیسری فصل میں (نظریہ ولایت فقیہ میں عوام کا کیا کردار ہے) کے عنوان سے تفصیلی بحث پیش کی ہے اور اس فصل کی بعض بحثوں میں اسی بنا کے مطابق ہماری گفتگو ہوگی۔ سب سے پہلے ان دو نظریات کی تحقیق کریں گے جو زیادہ اہم ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ ولی فقیہ کو معین کرنے کے لئے عوام کے ووٹ کا سہارا لیا جائے ، دوسرے یہ کہ اہل خبرہ کی کمیٹی ولی فقیہ کو معین کرے گی۔ بحث کو شروع کرنے کے لئے ایک مثال کا سہارا لیتے ہیں ، فرض کریں ہم چاہتے ہیں کہ ملک کے سب سے بڑے ریاضی داں کو انتخاب کریں تاکہ اس کو انعام و اکرام سے نوازا جائے. سوال یہ ہے کہ اس کو منتخب کرنے کے لئے منطقی اور صحیح طریقہ کیا ہے ؟ کیا ملک کے بہترین ریاضی کے استاد کو منتخب کرنے کے لئے کسی شہر کے پیمانے پر جستجو و تحقیق کی جائے گی۔

اور عام پبلک سے کہ جس میں سنار ، قالین بیچنے والے، بس ڈرائیور، گھر میں کام کرنے والی عورتیں، کسان ،اسٹوڈنٹس، علوم نفسیات کے ڈاکٹر و غیرہ شامل ہیں ان سب سے سوال اور ان سے ان کا نظریہ پوچھا جائے گا کہ پورے ملک میں سب سے اچھا ریاضی کا استاد کون ہے؟بہت واضح اور روشن ہے کہ اولاً یہ منطقی طریقہ نہیں ہے اس کا جو بھی نتیجہ نکلے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ثانیاً اصولاً اگر ایسے افراد سے اس بارے میں سوال کیا جائے گا اگر وہ منصف افراد ہوں گے تو وہ کہیں گے کہ اس بارے میں ہم کو نہیں معلوم ہے لہٰذا ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے ہیں بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ملک کے ریاضی کے بہترین استاد کو معین کرنے کے لئے یہ طریقہ کوئی شخص اختیار نہیں کرے گا اور اگر کوئی اس طریقہ سے ملک کے بہترین ریاضی داں کو منتخب بھی کرے وہ قابل قبول نہیں ہے۔ مطلب واضح ہے کہ ایک ریاضی کے استاد کی صلاحیتوں کو وہی شخص تشخیص دے سکتا ہے کہ جس کا علم ریاضیات سے سرو کار ہو ۔

اس طرح کی کوئی بھی کاروائی ہو اس میں اسی فن کے ماہرین سے سوال کر کے اس کے نتیجہ پر عمل کیا جاتا ہے، ہمارے اس مسئلہ میں یعنی ملک کے بہترین ریاضی دان کو منتخب کرنے کے لئے سب سے پہلے ہر یونیورسیٹی کے ریاضی کے استاد میں سے ایک شخص کا انتخاب کریں گے اس کے بعد صوبائی پیمانے پر وہ اساتید جو مختلف شہروں سے منتخب ہوئے ہیں وہ سب جمع ہو کر ایک شخص کو منتخب کریں گے مثال کے طور پر تیس صوبوں میں سے تیس بہترین استاد منتخب ہوں گے اس کے بعد یہ سب آپس میں مشورہ کر کے ان تیس لوگوں میں سے ایک شخص کو پورے ملک کے بہترین ریاضی کے استاد کا انتخاب کر کے پہنچوائیں گے البتہ ممکن ہے اس مرحلہ میں یا اس سے قبل مراحل میں فیصلہ کرنے والوں کا ایک گروہ ہو جس میں علم ریاضی کے بزرگ استاد ہوں اور وہ انتخاب کے کام کو انجام دیں، یا ممکن ہے جزئی فرق اس طریقہ سے انتخاب کرنے میں پائے جائیں، بہر حال ان سب طریقوں میں کلی طریقہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ علم ریاضی کے صاحب نظر اور ماہر و مثاق افراد اس تشخیص میں بنیادی کردار پیش کریں گے۔کیا واقعاً ملک کے بہترین ریاضی داں کو منتخب کرنے کے لئے یہ طریقہ عقل کے نزدیک مقبول ہے،یا یہ کہ ملک کی پوری عوام جاہل،عالم،یو نیورسیٹی کے طلبا، اس علم و فن کے ماہر افراد،خلاصہ یہ کہ سبھی افراد جمع ہو کر ووٹ دیں کہ علم ریاضی کا بہترین استاد کون ہے؟ ولی فقیہ کو معین کرنے میں بھی وہ کام جو انجام دینا ہے اس کی ماہیت و حقیقت یہی ہے کہ ہم چاہتے ہیں جو سب سے بہتر فقیہ ہو اس کا انتخاب کریں ؛ وہ فقیہ کہ جس کے اندر یہ تین صفات،فقاہت، تقویٰ اور معاشرے کو ادارہ کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہو اور وہ دوسروں کی بہ نسبت اس کی لیاقت رکھتا ہو،سوال یہ ہے کہ ایسے فقیہ کا انتخاب کرنے کا کیا طریقہ ہے اور کس کے اندر صلاحیت ہے کہ مشخص کرے کہ افضل و اصلح فقیہ کون ہے ؟ کیا اس کا صحیح اور منطقی طریقہ یہ ہے کہ عام پبلک ووٹ دے اور پورے ملک میں انتخاب کراکے براہ راست عوام کے ذریعہ منتخب کیا جائے، یا یہ کہ اس کا صحیح اور منطقی طریقہ یہ ہے کہ اس علم کے ماہر افراد کہ (اس مثال میں فقہا میں) ان کی طرف ہم رجوع کریں اور ان سے مطالبہ کریں کہ اس عہدے کے لئے اپنوں میں سے ایک کو منتخب کریں،اگر ملک کے بہترین ریاضی داں کو منتخب کرنے کے لئے عام پبلک کے ووٹ کے ذریعہ انتخاب کرنا صحیح نہیں ہے جو

کہ واقعاً صحیح نہیں ہے)بلکہ ضروری ہے کہ علم ریاضی کے اساتیذ اس بارے میں اپنا نظریہ پیش کریں۔ لہٰذا بہترین فقیہ کو منتخب کرنے کے لئے بھی معقول اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ اس بارے میں فقہا اپنا نظریہ پیش کریں کہ ان میں کون فقیہ دوسروں کی بہ نسبت بہتر اور اس عہدے کے لائق ہے نیز عام پبلک کا ووٹ اس بارے میں معیار نہیں ہو سکتا ہے ،زمان حاضر میں اسلامی جمہوریہ ایران کے اساسی قانون میں جو چیز موجود ہے اور اس پر عمل ہوتا ہے یہ ہے کہ ولی فقیہ کا معین کرنا اہل خبرہ کی کمیٹی کے ذمہ ہے وہ اہل خبرہ کہ جن میں سب اہل فقہ و فقاہت علماء ہیں اور انھوں نے اسی موضوع پر تحقیق کی ہے اور اپنی قیمتی عمر انہوں نے اسی راہ میں گزاری ہے۔

لیکن اہل خبرہ کی کمیٹی معین ہونے کے لئے کہ جن کا کام ولی فقیہ کو معین کرنا ہے دو طریقے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے ان افراد کا انتخاب کیا جائے ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر شہر میں جو فقیہ موجود ہیں وہ سب مل کر اپنوں میں سے ایک شخص کو جو سب سے بہتر و افضل ہے منتخب کریں اور دوسرے مرحلے میں اسی طرح کا انتخاب صوبائی پیمانے پر ہو اور آخر کار کچھ لوگ اہل خبرہ کی کمیٹی کے ممبر منتخب ہوجائیں ؛ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر صوبہ یا شہر سے ان افراد کو عوام کے ووٹ کے ذریعہ معین کیا جائے اس لئے کہ عام طور سے ایسا ہے کہ فقہا و مجتہدین زیادہ نہیں ہیں اور ممکن ہے کسی شہر میں ایک بھی فقیہ نہ ہو اگر چہ یہ صحیح ہے کہ عوام فقہ میں ماہر اور مجتہد نہیں ہیں لیکن چونکہ ہر شہر یا صوبے میں ایسے افراد بہت کم ہیں لہٰذا تھوڑی بہت جستجو و تحقیق کے ذریعہ عوام یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کون شخص یا اشخاص علم فقہ میں دوسروں سے بہتر و افضل ہیں یہ اسی کے مثل ہے کہ اگر ہم چاہیں کہ شہر یا صوبے میں بہترین دل کے ڈاکٹر کا انتخاب کریں اگر چہ ہم دل کے ڈاکٹر نہیں ہیں لیکن ڈاکٹروں اور اس علم کے اسپشلسٹ افراد کی طرف رجوع کر کے یا ان مریضوں سے پوچھ کر کہ جنھوں نے ان کا علاج کیا ہے بہترین دل کے ڈاکٹر کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

اب تک جو بحث پیش ہوئی ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ ولی فقیہ کو معین کرنے کے لئے دو طریقہ ہیں ا۔یعنی عوام کے ووٹ کے ذریعہ ۲۔یا اہل خبرہ کی کمیٹی کے ذریعہ ولی فقیہ (رہبر) کا انتخاب کیا جا سکتا ہے. لیکن دوسرا طریقہ یعنی اہل خبرہ کی کمیٹی کے ذریعہ

ولی فقیہ کا انتخاب کرنا علمی و منطقی لحاظ سے قابل قبول ہے۔ لیکن جو یہ نظریہ تھا کہ موجودہ رہبر آئندہ رہبر (ولی فقیہ) کو معین کرے اگر چہ اس طرح کا انتخاب ممکن ہے اور قابل اطمینان بھی ہے اس لئے کہ موجودہ رہبر معاشرے کے باصلاحیت افراد کو پہچانتا ہے اور تھوڑی غور وفکر کے بعد با صلاحیت افراد میں سے ایک شخص کو جو سب سے بہتر ہے اس کو پہچنوا سکتا ہے، لیکن اس نظریہ میں ایک یا دو اہم اشکال پائے جاتے ہیں، کہ مندرجہ ذیل ہیں ا۔اگر اس طرح سے ولی فقیہ کا انتخاب ہو تو دشمنوں کو موقع مل جائے گا کہ ہمارے خلاف ملک کے اندر اور باہر تبلیغات کرنا شروع کردیں اور ہماری حکومت پر ایک ڈیکٹیٹر شپ اور استبدادی حکومت ہونے کا الزام لگا دیں گے جب کہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلامی انقلاب کے بیس سال گزرے ہیں اور بیس عمومی انتخابات بھی ہوچکے ہیں پھر بھی داخلی و خارجی دشمن اسلامی جمہوریہ ایران پر ڈیکٹیٹر شپ اور استبدادی حکومت ہونے کا الزام لگارہے ہیں اس طریقہ پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ ممکن ہے رہبر پر یہ الزام لگادیں کہ اس نے اپنے بعد جو رہبر کو معین کیا ہے اس میں رشتہ داری و عاطفی پہلو پائے جاتے ہیں نیز گروہی یا شخصی اغراض کی وجہ سے اس نے رہبر معین کردیا ہے ۔ جیسا کہ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی بعض مسلمانوں نے اسی طرح کی تہمت لگادی کہ چونکہ حضرت علیؑ رسول خداؐ کے داماد تھے لہٰذا انھوں نے حضرت علیؑ کو خلافت کے لئے منتخب کر لیا اور ان کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے لہٰذا باوجود اس کے کہ موجودہ رہبر اپنے بعد کے رہبر کا انتخاب کرے اس کے بہترین نتائج ہوں گے لیکن اس طرح کے بے جا اشکالات سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ اس طریقہ کے انتخاب سے صرف نظر کیا جائے، بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ رہبر کے انتخاب کے تین طریقوں (یعنی ا۔ولی فقیہ کا انتخاب عوام کے ووٹ کے ذریعہ ۲۔ ولی فقیہ کا انتخاب اہل خبرہ کی کمیٹی کے ذریعہ ۳۔ ولی فقیہ کا انتخاب موجودہ رہبر کے ذریعہ ۔ ؛ان تین طریقوں میں سے معقول اور منطقی طریقہ یہی ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی ولی فقیہ کا انتخاب کرے ان تین طریقوں پر اگر ہم غور و فکر کریں اور جو ہم نے ان طریقوں پر تحقیق پیش کی ہے ان کو مد نظر رکھتے ہوئے دوسرے طریقے جو بھی اس سلسلہ میں ذکر ہوں ان کی بھی وضعیت واضح و روشن ہو جاتی ہے اور ان کے لئے مستقل بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

اشکال دَوْر

اب تک جو بحث ہوئی اس سے روشن و واضح ہوگیا کہ منطقی و عقلی طریقہ یہی ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی ولی فقیہ کو منتخب کرے ،لیکن ولی فقیہ اور اہل خبرہ کی کمیٹی کے درمیان جو رابطہ ہے اس میں چند اشکال کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک اشکال یہ ہے کہ دور لازم آتا ہے،کہا جاتا ہے کہ ایک طرف اہل خبرہ کی کمیٹی رہبر کو معین کرتی ہے حالانکہ اہل خبرہ کی کمیٹی کا اعتبار رہبر کی تائید کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا یہ دور ہے اور باطل ہے اس مطلب کی وضاحت : یہ ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کے لئے جو افراد نامزد ہوتے ہیں اور ان کا انتخاب ہوتا ہے ان اشخاص کی صلاحیت کو شورائے نگہبان تحقیق کرکے تائید کرتی ہے ۔لہذا واقیعت یہ ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کو شورائے نگہبان کے ذریعہ اعتبار حاصل ہوتا ہے اور اگر شورائے نگہبان ان کی صلاحیتوں کی تائید نہ کرے چاہے انہیں جتنا بھی ووٹ مل جائے اس کا اعتبار نہیں ہے اور وہ اہل خبرہ کی کمیٹی میں شامل نہیں ہو سکتے ہیں.

دوسری طرف شورائے نگہبان کے افراد کو جو اعتبار حاصل ہوتا ہے وہ ولی فقیہ کے ذریعہ سے ہے اس لئے کہ اساسی قانون کے مطابق شورائے نگہبان میں جو فقہا ہیں ان کا انتخاب رہبر کرتا ہے پس اگر شورائے نگہبان کا اعتبار نافذ ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو ولی فقیہ(رہبر) منتخب کرتا ہے تو اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اہل خبرہ کی کمیٹی کا اعتبار اس وجہ سے ہے کہ شورائے نگہبان ان کی تائید کرتی ہے اور شورائے نگہبان کا اعتبار رہبر کی تائید کی بنیاد پر ہے لہذا اہل خبرہ کی کمیٹی کا اعتبار در حقیقت ایک واسطہ کے ساتھ رہبر کی تائید کی وجہ سے ہے اور رہبر ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کو اعتبار عطا کرتا ہے. ولی فقیہ اعتبار عطا کرتا ہے،شورائے نگہبان کو ،شورائے نگہبان اہل خبرہ کی کمیٹی کو اعتبار کرتی ہے ۔ نیز اہل خبرہ کی کمیٹی کی ذمہ داری ولی فقیہ (رہبر) کا انتخاب ہے اور اہل خبرہ کی کمیٹی کی تائید مجلس خبرگان کے کرنے کی وجہ سے ولایت فقیہ معتبر ہوتی ہے اور اس کو حکم نافذ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے لہذا علم فلسفہ کے مطابق دور لازم آتا ہے ۔ (ولی فقیہ شورائے نگہبان کواعتبار عطا کرتا ہے، شورائے نگہبان اہل خبرہ کی کمیٹی کو اعتبار عطا کرتی ہے)یعنی جب تک اہل خبرہ کی کمیٹی تائید نہ کرے ولی فقیہ کا حکم و نظریہ اعتبار نہیں رکھتا ہے اور

دوسری طرف اہل خبرہ کی کمیٹی کو ولی فقیہ غیر مستقیم طریقہ سے (یعنی بیچ میں ایک واسطہ شوارائے نگہبان ہے)جب تک تائید نہ کرے ان کا ووٹ و نظریہ(کہ جس میں رہبر کو معین کرنا ہے) کوئی اعتبار نہیں رکھتا ہے اور یہ وہی دور ہے کہ جو منطق و فلسفہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ باطل و محال ہے۔ قبل اس کے کہ اس اشکال کا جواب دیا جائے اس مطلب کی طرف توجہ ضروری ہے کہ اس اشکال کی اصل وجہ فلسفہ سیاست و ڈیموکریسی حکومتوں سے جو کہ انتخابات کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں مربوط ہے۔ اس بحث میں یہ اشکال ہوا ہے کہ ایک ڈیموکریسی حکومت جس کے قوانین پارلیمنٹ کے افراد وضع کرتے ہیں ان کا اعتبار کس اساس و بنیاد پر ہے ؟ اس اشکال کے جواب میں سب سے پہلے جو جواب دیا جاتا ہے یہ کہ اس کا اعتبار عوام کے ووٹ پر منحصر ہے ،یعنی چونکہ عوام نے پارلیمنٹ کے ان ممبران یا اس پارٹی یا حکومت کو ووٹ دیا ہے اس بنیاد پر وہ وضع شدہ قوانین عوام سے حاصل کرتے ہیں۔ عوام کا ووٹ اعتبار عطا کرتا ہے ان قوانین کو جن کو پارلیمنٹ یا حکومت نے وضع کیا ہے لیکن فوراً یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ ایک آزاد حکومت کے وجود میں لانے کے لئے سب سے پہلے جو انتخابات ہوتے ہیں کہ ابھی پارلیمنٹ و حکومت وجود میں نہیں آتی ہے اور اس انتخابات کے ذریعہ چاہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کو معین کریں، نیز ان انتخابات کے لئے بھی ضروری ہے کہ قوانین موجود ہوں،مثلاً یہ کہ آیا عورتوں کو بھی ووٹ دینے کا حق ہے یا نہیں، ووٹ دینے والوں کی عمر کم سے کم کتنی ہونی چاہئے،انتخاب کے لئے کتنا فیصد ووٹ ہونا ضروری ہے، اکثریت مطلق معیار ہے یا اکثریت نسبی، یا پچاس فیصد ووٹ کا ہونا معیار، یا تیس فیصد ووٹ کا ہونا معیار ہے ،جو افراد الیکشن کے لئے نامزد ہیں سن اور علمی لحاظ سے ان کے لئے کیا شرائط ہیں وغیرہ اور اس طرح کے دسیوں شرائط کو مد نظر رکھا جاتا ہے اور یہ بھی روشن ہے کہ یہ قوانین الیکشن کے نتائج پر بھی موثر ہوں گے ،تمام مغربی ممالک میں یا ان میں سے اکثر میں کہ جن ممالک میں آخری ایک یا دو صدی پہلے آزاد حکومتیں وجود میں آتی ہیں ان ممالک میں ابتدا عورتوں کو ووٹ دینے کا حق نہیں تھا اور وہاں پر الیکشن عورتوں کی شرکت کے بغیر انجام پاتا تھا اور یہ قوی احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ اگر ابتداء سے عورتوں کو ووٹ دینے کا حق رہتا آج ہم مغربی ممالک کی سیاسی تاریخ میں بہت سی سیاسی پارٹیوں و سیاسی شخصیتوں کو دیکھتے ہیں کہ زمان

قریب میں بھی ملک (سوئٹزرلینڈ) کہ جس میں بیس مستقل حکومتیں ہیں اس کے بہت سے ممالک میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں تھا، اسی طرح الیکشن میں شرکت کرنے کے لئے سن کو ۱۶ سال سے گھٹا کر ۱۵ سال کر دینا وہ بھی ہمارے ملک کے مثل ،کہ جس کی ۷۰ فیصد آبادی جوانوں سے تشکیل پاتی ہے احتمال قوی ہے کہ انتخابات کی وضعیت اور وہ اشخاص یا وہ گروہ کہ جن کو زیادہ ووٹ ملنے والے ہیں وضعیت بالکل بدل جائے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک آزاد حکومت کے لئے جو سب سے پہلے الیکشن ہوتا ہے اور اس وقت نہ کوئی پارلیمنٹ ہے اور نہ کوئی حکومت ہے ۔

الیکشن میں شرکت کرنے والوں کے سن ان کی صنف یا جو لوگ الیکشن میں نامزد ہوں ان کے لئے کیا شرائط ہوں،انتخاب کے لئے کتنی فیصدی ووٹ ضروری ہے اور دوسرے مسائل کہ جو الیکشن سے مربوط ہیں ان سب قوانین کو کون اور کس بنیاد پر معین کرے گا ؟اس مرحلے میں ہم بہت زیادہ اس مطلب کی تاکید کرتے ہیں کہ اگر سب سے پہلی حکومت یا پارلیمنٹ کے لئے ہم صحیح جواب نہ دے سکے اس کے بعد آنے والی تمام حکومتیں اور سبھی پارلیمنٹ جو اس ملک میں اقتدار حاصل کریں گے ان پر بھی یہ اشکال وارد ہوگا اور ان کا اعتبار مخدوش ہو جائے گا ۔

اس لئے کہ اس کے بعد آنے والی پارلیمنٹ و حکومتیں سب سے پہلے والی حکومت کے بنائے ہوئے قوانین کے زیر نظر تشکیل پائے گی اور اسی طرح چوتھی پالیمنٹ اور حکومت، تیسری پارلیمنٹ اور حکومت کے بنائے ہوئے قوانین کے زیر نظر تشکیل پائے گی اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا ۔

پہلی حکومت اور پارلیمنٹ اور اس کے بنائے ہوئے قوانین اعتبار عطا کرتے ہیں ،دوسری حکومت و پارلیمنٹ کو اور اس کے بنائے ہوئے قوانین اعتبار عطا کرتے ہیں، تیسری حکومت اور پارلیمنٹ کو اور تیسری حکومت اور پارلیمنٹ کے قوانین بعد میں آنے والی حکومت کو اعتبار عطا کرتے ہیں اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے ۔واضح ہے کہ اگر پہلی حکومت و پارلیمنٹ پر اشکال باقی

رہ جائے اور اس کا اعتبار ثابت نہ ہو پائے اس وقت وہ تمام حکومتیں اور پارلیمنٹ جو اس کے بعد وجود میں آئیں گی ان پر بھی یہ اشکال وارد رہے گا ۔اس اشکال کا جواب دینے کے لئے،علوم سیاست کے دانشوروں نے کہا ہے کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے یعنی یہ اشکال وارد ہے لہذا سب سے پہلے الیکشن کے لئے چند قوانین کو معیار بنا کر اجراء کریں گے مثال کے طور پر فرض کریں ہم الیکشن کو مندرجہ ذیل قوانین کے مطابق برگزار کریں گے۔ (الف) ووٹ دینے والوں کی کم سے کم عمر ۱۶ سال ہے۔

(ب) عورتوں کو ووٹ دینے یا الیکشن میں لڑنے کا حق نہیں ہے۔

(ج) الیکشن کے نامزد افراد کے لئے کسی خاص علمی سطح کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

(د) جیتنے کے لئے کم سے کم تیس فیصد ووٹ ملنا چاہئے۔

(ھ) الیکشن میں نامزد ہونے والے افراد کی عمر کم سے کم ۲۰ سال ہونا چاہئے جب ہم نے الیکشن کو ان قوانین کے مطابق انجام دے دیا اور پہلی حکومت و پارلیمنٹ تشکیل پا گئی اس وقت یہ پہلی حکومت اور پارلیمنت تائید کرے گی کہ یہ الیکشن جو ہوا ہے موجودہ انہیں قوانین کے لحاظ سے معتبر ہے اور اس طرح یہ پہلا الیکشن، قانونی اعتبار سے قابل قبول ہو جائے گا البتہ اس کے بعد والے الیکشن کے بارے میں حکومت یا پارلیمنٹ فیصلہ کرے گی کہ انھیں قوانین کو باقی رکھا جائے یا ان میں سے بعض یا تمام قوانین کو بدل دیا جائے،آخر کار جو طریقہ ہم نے بیان کیا اس کے مطابق پہلے الیکشن کے لئے جو قانون کے اعتبار کا مسئلہ تھا وہ مشکل حل ہو جائے گی۔بہت واضح ہے کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے اور مشکل کو حل نہیں کر سکتا ہے اس لئے کہ ہمارا اشکال خود اسی پہلی حکومت اور پار لیمنٹ پر تھا کہ جو بعد میں آنے والی حکومتیں اور پارلیمنٹ کے قوانین کو اعتبار عطا کرے گی حالانکہ خود یہ پہلی حکومت ان قوانین کے ذریعہ وجود میں آئی ہے کہ جن قوانین کو کسی حکومت یا پارلیمنٹ یا عوام نے منظور نہیں کیا تھا،اور یہ کہ یہی پہلی حکومت اور پارلیمنٹ

جن قوانین کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے انھیں قوانین کو اعتبار عطا کرے گی یہ وہی رابطہ دور ہے کہ جس کی طرف بحث کی ابتداء میں ہم نے اشارہ کیا تھا۔ (پہلی حکومت اور پارلیمنٹ کوپہلا الیکشن اعتبار عطا کرتا ہے) بہر حال یہ ایسا اشکال ہے کہ جو دنیا کی تمام آزاد حکومتوں پر وارد ہے اور اس کا کوئی منطقی اور قانع کنندہ جواب بھی نہیں ہے اسی وجہ سے معاصر فلسفہ سیاست کے نظریہ پیش کرنے والے اور علوم سیاست کے دانشوروں، خاص کر اس زمانے میں علم سیاست کے ماہرین نے اس اشکال کو قبول کرلیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، اور ایک آزاد حکومت کو وجود میں لانے کے لئے جو عوام کے ووٹ پر منحصر ہو اس اشکال سے نجات نہیں ہے نیز اس اشکال کا کوئی علمی راہ حل موجود نہیں ہے۔

لہٰذا اہل خبرہ کی کمیٹی و ولایت فقیہ (رہبری) کے درمیان جو دور بیان ہوا ہے اس کا ایک نقضی جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح یہ مشکل دوسری آزاد حکومتوں کے لئے ہے اور یہ سبب نہیں بن سکتا کہ وہ لوگ آزاد حکومتوں سے دست بردار ہوجائیں، حکومت ولایت فقیہ میں بھی اگر ایسی مشکل ہو وہ سبب نہیں بن سکتی ہے کہ ولایت فقیہ کی حکومت سے دست بردار ہوجائیں ورنہ ضروری ہو جائے گا کہ دنیا کی تمام گزشتہ و آئندہ آزاد حکومتوں کو مردود سمجھا جائے اور ان کو قبول نہ کیا جائے۔ لیکن واقعیت و حقیقت یہ ہے کہ یہ دور کا اشکال صرف آزاد حکومتوں پر وارد ہے اور ولایت فقیہ پر منحصر حکومت کے لئے یہ اشکال وارد نہیں ہے بنیادی طور پر ولایت فقیہ کی حکومت اس اشکال سے مبرا ہے اور اس میں کسی طرح کا دور نہیں پایا جاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جیسا کہ اس کتاب کی گزشتہ بحثوں میں ہم نے بیان کیا کہ ولی فقیہ کی حکومت کا شرعی جواز خداوند عالم کی طرف سے ہے عوام کی طرف سے نہیں ہے اور خداوند عالم کا قانون اور حکم ذاتی طور پر اعتبار رکھتا ہے لہٰذا ضروری نہیں ہے کہ کوئی شخص خدا وند عالم کے قانون و حکم کو اعتبار عطا کرے، بلکہ خد اوند عالم کی ملکیت حقیقی کی بنیاد پر کہ جو تمام موجودات پر ہے اس کی وجہ سے خداوند عالم تمام موجودات میں تکوینی و تشریعی تصرفات کر سکتا ہے یعنی ولایت فقیہ کی حکومت کے وجود میں آنے کے لئے جو سلسلہ آتا ہے اس طرح ہے۔ خداوند عالم اعتبار عطا کرتا ہے ولی فقیہ کو ولی فقیہ اعتبار عطا کرتا ہے پارلیمنٹ او رحکومت کو ،لہٰذا دور نہیں

ہے ۔ ولایت فقیہ کی حکومت اور اہل خبرہ کی کمیٹی کے رابطہ کے درمیان جو دور ذکر ہوا ہے اس میں مغالطہ (غلطی) یہ ہے کہ اشکال کرنے والوں نے اس طرح کہا ہے۔ولی فقیہ اہل خبرہ کی کمیٹی کے ذریعہ اعتبار حاصل کرتا ہے، حالانکہ خود اہل خبرہ کی کمیٹی کو ولی فقیہ، شورائے نگہبان کے ذریعہ اعتبار عطا کرتا ہے ،اس اشکال کا جواب جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ولی فقیہ کا اعتبار اہل خبرہ کی کمیٹی کے ذریعہ نہیں ہے، بلکہ خدا وند عالم اور امام معصومؑ کی طرف سے ولی فقیہ منصوب ہوتا ہے اور حقیقت میں اہل خبرہ کی کمیٹی ولی فقیہ (رہبر) کو منصوب نہیں کرتی ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کی تیسری فصل میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کا کام اس ولی فقیہ کا کشف کرنا ہے جو امام زمانہ کی طرف سے بصورت نصب عام منصوب ہو چکا ہے، یہ اسی کے مثل ہے کہ جب ہم مرجع تقلید و اعلم کو مشخص کرنے کے لئے اس علم کے اہل خبرہ و ماہر افراد کے پاس جاتے ہیں اور ان سے سوال کرتے ہیں ہم یہ نہیں چاہتے ہیں کہ کسی کو اجتھاد یا اعلمیت کے لئے منصوب کریں بلکہ وہ شخص عالم خارج میں ممکن ہے اعلم ہو یا اعلم نہ ہو اگر واقعاً وہ مجتہد یا اعلم ہے توہماری تحقیق و جستجو سبب نہیں بنتی ہے کہ اس کے اعلمیت یا اجتہاد کے مرتبہ کو ختم کردے اور اگر واقعاً وہ مجتہد یا اعلم نہیں ہے ہماری تحقیق و جستجو سبب نہیں بنتی ہے کہ اس کے اندر اعلمیت یا اجتہاد کو وجود میں لائے۔ پس اس فن کے ماہر افراد سے سوال کرنے کا صرف یہی مقصد ہوتا ہے کہ ان کی شہادت و گواہی کے ذریعہ ہمارے لئے کشف اور معلوم ہوجائے کہ وہ مجتہد اعلم (جوکہ ہمارے سوال کرنے سے پہلے بھی خارج میں مجتہد و اعلم تھا) کون ہے،ہماری مورد نظر بحث میں بھی اہل خبرہ کی کمیٹی ولی فقیہ کو منصوب نہیں کرتی ہے،بلکہ فقط شہادت و گواہی دیتی ہے کہ وہ مجتہد کہ جس کی اطاعت ضروری ہے،یہ شخص ہے ۔

اس بحث میں اس کا جواب اس طرح بھی دیا جاسکتا ہے کہ مثال کے طور پر ،اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی حضرت امام خمینیؒ نے سب سے پہلے شورائے نگہبان کو معین کیا اور شورائے نگہبان نے اہل خبرہ کی کمیٹی کے اشخاص کی صلاحیتوں کی تائید کی اس طریقہ سے وہ منتخب تو ہو گئے لیکن اہل خبرہ کی اس کمیٹی کا کام آئندہ ولی فقیہ (رہبر) کا انتخاب کرنا تھا لہٰذا اس صورت میں دور لازم نہیں آتا ہے ہاں!اگر ایسا ہوتا کہ امام خمینیؒ شورائے نگہبان (ملک کے حفاظت کی کمیٹی) کے ذریعہ اہل خبرہ کی کمیٹی کی تائید کرتے اور

اہل خبرہ کی کمیٹی ہی امام خمینیؒ کو ولی فقیہ معین کرتی اس وقت دور لازم آتا ، مورد نظر بحث کی مثال یہ اسی طرح ہے جیسے ہم نے ایک شمع پہلے سے روشن کر رکھی ہو اور اس کے ذریعہ سے ماچس جلاکر دوسری شمع روشن کریں کہ اس صورت میں دور لازم نہیں آرہاہے، لیکن اگر ایسا ہوتا کہ پہلی شمع کے جلائے جانے کے لئے ماچس کے جلائے جانے پر منحصر اور ماچس کو جلانے کے لئے شمع کے جلائے جانے پر انحصار ہو اس وقت دور لازم آتا ہے اس فرض کے مطابق چونکہ دور لازم آتا ہے لہٰذا شمع او مارچس میں سے کوئی ایک بھی روشن نہیں ہوسکتا ہے، ممکن ہے کوئی اس طرح اشکال کرے کہ جس وقت پہلی مرتبہ اہل خبرہ کی کمیٹی بنی اس طرح کا قضیہ ہے کہ ،اگرچہ امام خمینیؒ کی رہبری کا اہل خبرہ کی کمیٹی سے کوئی ربط نہیں ہے لیکن ان کی رہبری کو باقی رہنے کے لئے اسی اہل خبرہ کی کمیٹی کے تائید کرنے پر منحصر ہے لہٰذا ان کی ابتدا میں جو رہبری ہے اس میں دور لازم نہیں آتا ہے لیکن ان کی رہبری کے باقی رہنے میں دور لازم آتا ہے ،اس لئے کہ امام خمینیؒ کی رہبری کے باقی رہنے کے لئے اہل خبرہ کی کمیٹی کی طرف سے تائید ہونا ضروری ہے حالانکہ اہل خبرہ کی اس کمیٹی نے امام خمینیؒ سے اعتبار حاصل کیا ہے لہٰذا دور لازم آے گا ۔

اس اشکال کا بھی جواب یہ ہے کہ مثال کے طور پر پہلے سے شمع روشن ہو اور اسی کے ذریعہ ماچس جلائیں اور پھر وہ شمع خاموش ہوجائے کہ جس کے ذریعہ ہم نے ماچس جلائی تھی دوبارہ ہم اسی ماچس سے، کہ جس کو شمع کے ذریعہ جلایا تھا ، بجھی ہوئی شمع کو جلائیں ایسی صورت میں دور لازم نہیں آئے گا اس لئے کہ جس شمع سے ماچس کی روشنی وابستہ تھی وہ پہلی شمع تھی جو بجھ چکی ہے،نیز وہ روشنی جو ماچس میں ہے وہ پہلی شمع سے وابطہ ہے اور اسی کی دوسری روشنی بھی ہے لہٰذا دور لازم نہیں آتا ہے۔ (پہلی شمع کی روشنی ،ماچس کی روشنی، پہلی شمع کی دوسری روشنی)ہماری بحث میں بھی ایسا ہی قضیہ ہے کہ امام خمینیؒ نے شورائے نگہبان کو معین کیا اور شورائے نگہبان نے اہل خبرہ کی کمیٹی کے اشخاص کی صلاحیتوں کی تائید کی، لیکن اہل خبرہ کی وہ کمیٹی جو انتخاب اور تشکیل ہونے کے بعد ،تائید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ امام خمینیؒ کی رہبری باقی رہے گی اور اس کا اس سے پہلے کے (یعنی پہلی شمع کی روشنی کے)زمانے سے کوئی ربط نہیں ہے اور اس کا اعتبار سب سے پہلے تشکیل پانے والی اہل خبرہ کی کمیٹی کی وجہ سے نہیں ہے،بلکہ اس کا اعتبار

اس لحاظ سے ہے کہ امام زمانہ (عج) کی طرف سے نصب عام کی وجہ سے منصوب ہوا ہے لہٰذا کسی طرح کا دور اس سلسلہ میں لازم نہیں آتا ہے۔اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ دور کا اشکال حقیقت میں ان حکومتوں پر وارد ہے جن کی بنیاد آزادی اور حکومت میں عوام سالاری ہے ،اور یہ اشکال جو کہ ان دوسری حکومتوں پر وارد تھا دشمنوں نے کوشش کی ہے کہ اس کو نظریہ ولایت فقیہ کی حکومت پر بھی وارد کریں، لیکن حقیقت و واقعیت یہ ہے کہ یہ اشکال صرف آزاد حکومتوں پر وارد ہے اور ان کے پاس اس کا کوئی معقول جواب بھی نہیں ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق و بحث کی ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ ولی فقیہ کی حکومت پر یہ اشکال وارد نہیں ہے۔

اہل خبرہ اور مختلف علوم و فنون کی مہارت

اہل خبرہ کی کمیٹی پر ایک اشکال ،اور عام طور پر جو سوال ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کمیٹی کے اشخاص کو مختلف علوم کا ماہر ہونا چاہئے، اس سوال کی وضاحت یہ ہے کہ اولاً ملک کے اساسی قانون میں ولی فقیہ (رہبر) کے لئے جو شرائط ذکر ہوئے ہیں وہ تین شرطیں ہیں ،فقاہت، عدالت، اور معاشرے کے امور کا ادارہ کرنا ۔

حالانکہ اہل خبرہ کی کمیٹی کے لئے اجتہاد کی جو شرط رکھی گئی ہے اس کی وجہ سے اہل خبرہ کی کمیٹی میں عام طور پر ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں کہ جن میں ولی فقیہ کی صرف فقاہت وعدالت کو تشخیص دینے کی صلاحیت ہوتی ہے لیکن ولی فقیہ کے لئے جو مدیر و مدبر ہونے کی شرط رکھی گئی ہے کہ اس میں معاشرے کو ادارہ کرنے کی صلاحیت، نیز معاشرے میں جو کچھ ہورہا ہے ان حالات کا علم، ملک کے داخلی سیاست اور بین الاقوامی سیاست سے باخبر ہونا بھی شامل ہے ۔لہٰذا اہل خبرہ کی کمیٹی کے افراد کے اندر ان امور کے بارے میں تشخیص دینے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی میں ایسے اشخاص کو بھی شامل کیا جائے کہ جن کو جامعہ کے ادارہ کرنے کے مسائل اور سیاسی و معاشرتی مسائل کا علم ہو،تاکہ اس لحاظ سے بھی وہ ولی فقیہ (رہبر) کی صلاحیتوں کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کر سکیں ۔ثانیاً ۔ ملک کے اساسی قانون کے مطابق ولی فقیہ کی بعض ذمہ داریاں واختیارات

منجملہ ملک کی تمام قوتوں کی سر براہی، ملک کی کلی سیاست کا معین کرنا کہ اس میں اقتصادی سیاسی اور لشکری سیاست بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ دوسرے امور بھی رہبر کے لئے ہیں ان تمام امور کی صلاحیت تشخیص دینے کے لئے رہبر ان تمام عہدوں اور ذمہ داریوں کو سنبھال سکتا ہے یا نہیں؟ ضروری ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی میں ایسے افراد کو بھی شامل کیا جائے جو سیاسی اقتصادی اور لشکری امور میں مہارت رکھتے ہوں، تا کہ ولی فقیہ (رہبر) کے اندر فقہی و عدالتی صلاحیتوں کے علاوہ دوسری صلاحیتوں کے بارے میں بھی تحقیق کر کے اس بارے میں اپنا نظریہ پیش کر سکیں، ان مطالب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس اشکال اور سوال کو اگر مختصر طور پر بیان کیا جائے،اس طرح ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کے اشخاص کے لئے اجتہاد کی شرط ہونے کی وجہ سے گروہ اہل خبرہ کی کمیٹی میں شامل ہے حالانکہ رہبر کا جو مقام و منزلت ہے اور اس کے ذمہ جو عہدے اور اختیارات ہیں،ان کو مد نظر رکھتے ہوئے اہل خبرہ کی کمیٹی میں دوسرے علوم و فنون کے اشخاص کا ہونا لازم او رضروری ہے ۔

اس سوال کے جواب میں ہم کہتے ہیں اولاً اہل خبرہ کی کمیٹی کے اشخاص کے لئے صرف اجتہاد کی شرط نہیں ہے بلکہ واضح ہے کہ یہ نا مزد اشخاص جب منتخب ہو جائیں گے اور اہل خبرہ کی کمیٹی میں شامل ہوجائیں گے ولایت فقیہ کے عہدے کے بارے میں فیصلہ کریں گے کہ جو سیاسی اور سماجی مقام ہے صرف مذہبی مقام ہی نہیں ہے لہٰذا خود ان اشخاص کے لئے ضروری ہے کہ اجتہاد کے علاوہ سیاسی اور معاشرتی مسائل سے بھی با خبر ہوں اور یہ مسئلہ اہل خبرہ کی کمیٹی کے افراد کی صلاحیتوں میں سے اصلی اور اہم معیار سمجھا جاتا ہے، اس بنیاد پر ہر گز ایسا نہیں ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کے اشخاص صرف مجتہد اور باتقویٰ افراد ہوں کہ جن کو سیاست اور معاشرتی امور سے کوئی ربط نہ ہو،بلکہ سماجی اور سیاسی مسائل سے تا حد نصاب ان کو علم ہوتا ہے، اس مطلب کی طرف توجہ ضروری ہے کہ اگر ہم قبول بھی کرلیں کہ اہل خبرہ کی کمیٹی میں وہ اشخاص شامل کئے جائیں کہ جو صرف سیاستدار ہوں فقیہ نہ ہوں تو یہ بالکل اسی کے مثل ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی میں ایسے افراد شامل ہوں کہ جو صرف فقیہ ہوں اور سیاست سے نا بلد ہوں وہ اشکال جو ان فقہا پر وارد ہے کہ جن کو سیاست اور سماجی امور کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے وہی اشکال ان سیاستداروں پر بھی

وارد ہے کہ جن کو فقہ و فقاہت کے بارے میں علم نہ ہو نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کے اشخاص کے لئے ضروری ہے کہ مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی امور کی بھی اطلاع رکھتے ہوں ۔ثانیاً ، صحیح ہے کہ ولی فقیہ کے لئے صرف تین شرطیں ہیں فقاہت، عدالت، مدیر و مدبر ہونا جو اساسی قانون میں درج ہوئی ہیں، لیکن اس مطلب کی طرف توجہ ضروری ہے کہ یہ تینوں شرطیں ہماری نظر میں مساوی نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ایک شرط دوسری دو شرطوں پر مقدم ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہم معتقد ہیں کہ ہماری حکومت کا اصلی عنصر کہ جس کی بنیاد پر حکومت تشکیل پائی ہے وہ دین اسلام ہے، مدیریت اور سیاست دوسرے تمام ملکوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جو حکومتیں اسلامی نہیں ہیں ان حکومتوں کا سر براہ مدبر و سیاستمدار نہ ہو،پس اس جہت سے دوسروں پر ہم کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے بلکہ ہمارا امتیاز یہ ہے کہ ہماری حکومت اسلامی ہے۔ وہ چیز جو ہماری نظر میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، نیز حکومت کو تشکیل دینے اور سیاست کو ادرہ کرنے کا جو ہمارا ہدف و مقصد ہے وہ یہ ہے کہ اسلام اور اسلام کی قدروں اور اس کے احکام کو نافذ کیا جائے لہٰذا ایسی حکومت کا رہبر و سربراہ ، علمی و عملی لحاظ سے ضروری ہے کہ اسلام سے انسیت و قرابت رکھتا ہو ،اور اسلام کے اقتدار و احکام پر عمل کرتا ہو، اسی دلیل کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اسلامی ملک کا رہبر فقیہ اور عادل ہونا چاہیے نیز فقاہت کو ہم عدالت پر مقدم کرتے ہیں۔ فقیہ یعنی جو اسلام کو بخوبی درک کرتا ہو اور اسلام کے تعالیم و اقتدار پر محققانہ اور عمیق و جامع نظر رکھتا ہو اگر اس حکومت کا سربراہ ایسا نہ ہو جو اسلام کے بتائے ہوئے راستوں پر ملک کی ہدایت کر سکے اور ملک پر حاکم تمام طاقتوں پر نظارت رکھ سکے تو ایسی صورت میں کیونکر اطمینان حاصل ہوسکتا ہے کہ اسلامی حکومت و اقتدار محقق ہوئی ہے بلکہ یہ حکومت دنیا کے تمام ممالک کی حکومتوں کی طرح ایک عم حکومت میں تبدیل ہوجائے گی کہ جن کا کا مقصد صرف معاشرے کے امور کا ادارہ کرنا ہے ۔اور ان کے لئے حکومت کا اسلامی یا غیر اسلامی ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے لہٰذا اسلامی حکومت کے رہبر (ولی فقیہ) کے لئے تمام شرائط اور صلاحیتوں کے ساتھ فقاہت اور اسلام کی حقیقی شناخت کی صفت تمام صفات پر مقدم ہے اور رہبر میں ان صفات و خصوصیات کا بدرجہ اتم ہونا بہت اہم اور حیاتی حیثیت رکھتا ہے ایسے

صفات کا احراز صرف وہی اشخاص کر سکتے ہیں کہ جو فقاہت و اجتہاد میں ماہر ہوں، البتہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ تقویٰ، سیاست اور سماج کے موجودہ مسائل کا جاننا اہل خبرہ کی کمیٹی کے لئے بھی ضروری ہے ۔ لیکن دوسرے مسائل میں ماہر ہونے کے بارے میں (جیسے اقصادی، لشکری مسائل وغیرہ) ہم یہ کہتے ہیں دنیا کے کسی کونے میں بھی یہ چیز معمول و متداول نہیں ہے اور نہ ہی ممکن ہے کہ ایک شخص لشکری امور میں ماہر ہو نیز سیاسی اور ڈپپلو میٹک داخلی و خارجی امور میں مہارت رکھتا ہو اور ان تمام امور میں اہل نظر و خبرہ ہو ،بلکہ دوسرے ممالک کے سیاسی لیڈروں کے لئے جو چیز ضروری سمجھی جاتی ہے صرف یہ ہے کہ داخلی و خارجی سیاست سے آشنا ہو لہٰذا دوسرے مسائل، جیسے لشکری، اقصادی وغیرہ کے لئے امین و اہل خبرہ افراد کے مشوروں سے استفادہ کیا جاتا ہے تا کہ ان مسائل میں حکم نافذ کیا جا سکے، ہماری حکومت میں بھی جو کہ ایک اسلامی حکومت ہے اسی طرح کا مسئلہ صدق کرتا ہے کہ جو چیز رہبر کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی مسائل کو سمجھنے اور اس کو ادارہ کرنے کی بحد کافی قدرت رکھتا ہو، البتہ ہم نے بیان کیا کہ اسلامی حکومت ہونے کی وجہ سے دوسری حکومتوں کے بہ نسبت ایک خصوصیت ایسی ہے جو دوسرے ممالک کے رہبروں کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی ملک کا رہبر فقیہ اور اسلام شناس ہونا چاہیئے ۔

لیکن ان موارد کے علاوہ ضروری نہیں ہے کہ خود رہبر دوسرے امور میں بھی صاحب نظر ہو اور دوسرے موارد میں دقیق اطلاع رکھتا ہو، بلکہ مختلف امور میں قوی اور امین مشیروں کے ذریعہ ، جو اختیارات اس کو دئے گئے ہیں ان میں فیصلہ و حکم نافذ کرسکتا ہے ۔ چنانچہ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اہل خبرہ کی کمیٹی کے افراد کے لئے بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ مختلف امور جیسے اقصادی و لشکری وغیرہ میں مہارت رکھتے ہوں بلکہ صرف ایسے اشخاص کا اہل خبرہ کی کمیٹی کے لئے منتخب ہو جانا کافی ہے جو مجتہد ،اہل تقویٰ اور معاشرے کے روز مرہ مسائل ، سیاست اور بین الاقوامی امور سے واقف ہوں، اور ایسے افراد ہی ولی فقیہ کو منتخب کر سکتے ہیں ۔اس بحث کے خاتمہ پر اس مطلب کی طرف اشارہ کرنا بہتر ہے کہ کبھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دین اسلام میں مختلف علوم ہیں (جیسے علم تفسیر، علم کلام، علم حدیث، علم رجال، علم فلسفہ وغیرہ ۔) اور آپ فقیہ کو اسلام شناس کہتے ہیں حالانکہ فقاہت

کا اصطلاحی معنی اسلام کے فرعی احکام کا جاننا اور علم فقہ میں اسپشلسٹ و ماہر ہونا ہے (وہی تعریف جو مراجع کرام کے رسالہ عملیہ میں موجود ہے) لہٰذا اگر واقعاً مراد یہ ہے کہ اسلامی ملک کے رہبر (ولی فقیہ) کے لئے ضروری ہے کہ اسلام شناس ہوتو لازم ہے کہ فقیہ ہونے کے علاوہ دوسرے اسلامی علوم جیسے علم کلام، علم تفسیر، علم حدیث علم فلسفہ ،اور علم رجال اور اس کے مثل علوم میں بھی ضروری ہے کہ تبحر اور ملکہ رکھتا ہواور اس کا لازمہ یہ ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی میں ایسے اشخاص بھی شامل ہوں جو مفسر، متکلم، فیلسوف ہوں تاکہ وہ ولی فقیہ کے اندر ان علوم کے پائے جانے کا بھی احراز کر سکیں ۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی ملک کے امور کو اجرا کرنے کے لئے جو چیز مؤثر ہے وہ فقاہت ہے اگر چہ اسلام کے امور میں مختلف پہلو شامل ہیں، کہ ان میں سے بعض قلبی امور سے مربوط ہیں جنہیں علم اعتقاد کہا جاتا ہے اور بعض فیملی امور سے مربوط ہیں اور بعض جیسے طہارت و نجاست، نماز و روزہ اور عبادات وغیرہ انفرادی اعمال سے مربوط ہیں لیکن وہ چیز جو امت اسلامی کی ہداہت کے لئے مؤثر ہے وہ اسلام کے سیاسی اور سماجی احکام سے آشنائی ہے لہٰذا ولی فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ علم و مہارت رکھتا ہو یعنی دوسروں کی بہ نسبت اعلم ہو ،اس کے ضمن میں دوسرے فرعی مسائل میں بھی اجتہاد ضروری ہے البتہ اسلام کے بتائے ہوئے دوسرے امور بھی اہمیت رکھتے ہیں اور لفظ فقیہ و فقاہت ان امور کو بھی شامل ہے ۔

پیراڈاکس، عزل

کبھی اس طرح کا معما پیش کیا جاتا ہے کہ اگر کسی زمانے میں اہل خبرہ کی کمیٹی ولی فقیہ (رہبر) کو اس کی صلاحیتوں کے فاقد ہوجانے کی وجہ سے عزل کردے اور اسی زمانے میں ولی فقیہ (رہبر) بھی یہ تشخیص دیدے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کی صلاحیتیں بھی ختم ہوگئی ہیں لہٰذا اہل خبرہ کی کمیٹی کو منحل کردے تو اس وقت ہم کیا کریں گے ؟ کیا ولی فقیہ کے حکم پر عمل کیا جائے گا اس لئے کہ اس کی اطاعت ضروری ہے اہل خبرہ کی کمیٹی منحل کردی جائے گی اور اہل خبرہ کی کمیٹی نے رہبر کے عزل کا جو حکم دیا ہے وہ رد کردیا جائے گا ،یا یہ کہ اہل خبرہ نے چونکہ رہبر کو ان صلاحیتوں سے فاقد تشخیص دے دیا ہے لہٰذا رہبر نے جو اہل خبرہ کی کمیٹی کے منحل

ہونے کا حکم دیا ہے اس کا کوئی اعتبار و اثر نہیں رہے گا ۔اس سوال کی بیشتر وضاحت میں ہم کہیں گے کہ ایک طرف اساسی قانون کے مطابق اہل خبرہ کی کمیٹی کی ذمہ داری یہ ہے کہ رہبر کے کاموں پر نظارت کرے اور اس کو عزل اس وقت کر سکتے ہیں کہ جب وہ تشخیص دیدیں کہ رہبر میں اب کچھ یا بعض شرائط جو رہبری کے لئے ضروری ہیں موجود نہیں ہیں مثال کے طور پر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگیا ہے ۔

لہٰذا عدالت و تقویٰ باقی نہیں رہ گیا ہے، یا کسی بیماری کی وجہ سے اس کی فکری اور شعوری قوت پر متاثر ہوگئی لہٰذا اس کے اندر اب اجتہاد کی قدرت باقی نہیں رہ گئی ہے یا یہ کہ اب وہ سیاسی و سماجی مسائل کو حل نہیں کرسکتا ہے اور مدیریت کی ذمہ داری کو سنبھال نہیں سکتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ کسی زمانے میں حقیقتاً ولی فقیہ کے لئے یہ ثابت ہوجائے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کے اکثر یا سبھی اشخاص طمع یا دھمکی کا شکار ہوگئے ہیں یا کسی اور منطقی و استدلالی دلیل کی بنا پر ،ولی فقیہ اس نتیجہ تک پہونچے کہ اہل خبرہ کی اس کمیٹی کا وجود اسلام اور اسلامی معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے ،تو ولی فقیہ اپنی ولایت کے اختیار کے ذریعہ اہل خبرہ کی کمیٹی کو منحل کر دے گا، اگر چہ کسی قانون میں صراحتاً یہ نہیں لکھا ہے کہ ولی فقیہ کا یہ اختیار ہے کہ اہل خبرہ کی کمیٹی کو منحل کرسکتا ہے ۔ واضح ہے کہ اگر ان دو امور میں سے جو ذکر ہوئے ہیں کوئی ایک مسئلہ پیش آجائے تو ایسی صورت میں کوئی مشکل نہیں ہے ؛ یعنی اگر صرف یہ ہو کہ اہل خبرہ کی کمیٹی رہبر کو اس کے عہدے سے معزول کردے اس وقت رہبر کی رہبریت ختم ہوجائے گی، یا اگر صرف یہ ہو کہ رہبر اہل خبرہ کی کمیٹی کی کمیٹی کو منحل کردے ان دونوں صورتوں میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی ہے، لیکن مشکل اس وقت پیش آئے گی کہ جب یہ دونوں حکم ایک ہی زمانے میں صادر ہوں اور اہل خبرہ کی کمیٹی اور رہبر ایک دوسرے کی عدم صلاحیت کا حکم صادر کردیں، اس وقت پیراڈاکس عزل کا مسئلہ پیش آتا ہے اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں ملک اور عوام کی کیا ذمہ داری ہے ؟اس سوال کے بارے میں سب سے پہلے ہم یہ یاد دہانی کرانا چاہتے ہیں کہ یہ معا نظریہ ولایت فقیہ پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ ہر وہ ملک کہ جہاں پیراڈاکسی طاقتیں ہوں اور ان کو حق حاصل ہو کہ ایک دوسرے کی صلاحیتوں کو فاقد قرار

دے کر منحل کردیں تو اس وقت یہ مسئلہ پیش آتا ہے ۔ مثلاً اسی سال کے اواخر کا واقعہ ہے کہ ہم نے مشاہدہ کیا کہ '' دومائے روس'' کا وہاں کے وزیر اعظم سے مقابلہ تھا ، اور دوسرے ممالک میں بھی ایسی مشکل کا وجود ممکن ہے ، ان قوانین و اختیارات کے لحاظ سے جو حکومت کی دونوں قدرتوں کے لئے معین ہوئے ہیں ایسی مشکل پیش آسکتی ہے ، بہر حال اجمالی طورپر نتیجہ یہ ہے کہ جس کا حکم مقدم رہے گا اسی کا حکم نافذ ہوگا اور دوسرے کا حکم فاقد اعتبار ہوجائے گا ، اور یہ فرض کرنا کہ دونوں حکم ایک ہی زمانے میں صادر ہوئے ہوں یہ ایک ایسا فرضیہ ہے کہ جس کا وجود بہت شاذ ونادر ہے لہٰذا عملی لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے ، اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ مشکل دنیا کی تمام حکومتوں کے لئے ممکن ہے اور صرف ولی فقیہ کی حکومت کے لئے ہی نہیں ہے اس لحاظ سے یہ تمام حکومتوں کے لئے ایک ضعف و کمزوری ہوسکتی ہے ۔

لیکن قابل توجہ اور اہم علمی نکتہ جو اس مورد میں پایا جاتا ہے یہ ہے کہ اصولاً اہل خبرہ کی کمیٹی جو کام انجام دیتی ہے وہ یہ ہے کہ رہبر کے معزول ہونے کو وہ تشخیص دیدیتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے کہ وہ رہبر کے معزول ہونے کا حکم دیتے ہوں اس لئے کہ جیسا کہ ہم نے تیسری فصل میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ اہل خبرہ کی کمیٹی ولی فقیہ (رہبر) کو منصوب نہیں کرتی ہے اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اہل خبرہ کے حکم سے ولی فقیہ کے اندر ولایت کے شرائط وجود میں آتے ہوں بلکہ اس کے اندر اس حکم سے پہلے ہی ولایت کے شرائط موجود رہتے ہیں اہل خبرہ کی کمیٹی صرف گواہی اور تشخیص دیتی ہے کہ یہ شخص امام زمانہ (عج) کے اس نصب عام کا مصداق ہے جو امام زمانہ (عج) کی غیبت کبریٰ کے زمانے کے لئے بیان کیا گیاہے لہٰذا رہبر کے معزول ہونے کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ رہبر کے اندر وہ صفات جو اس کی رہبریت کے لئے ضروری ہیں ختم ہوجائیں ، اس وقت خود بخود وہ اس عہدے سے معزول ہوجائے گا اور اس کی حکومت کا شرعی جواز ختم ہوجائے گا ، اس دلیل کی بنیاد پر اگر چہ آج کے زمانے میں جو اہل خبرہ کی کمیٹی ہے اس کا کام ولی فقیہ کے منحرف ہونے اور اس کے اندر شرائط کے موجود ہونے کو تشخیص دینا ہے ، لیکن ولی فقیہ کے تمام تصرفات ، نصب و معزول کرنا اور اس کے حکم یہ سب اسی وقت پیش آسکتا ہے جب ولی فقیہ کے شرائط میں سے

کوئی ایک شرط بھی اس کے اندر نہ پائی جائے، ان کا یہ عمل اسی طرح ہوگا جس طرح ابتدا میں اہل خبرہ کی کمیٹی کا کام ان شرائط کے پائے جانے والے شخص کا کشف کرنا اور اسے منصوب کرنا، ان کا کام نہیں تھا اسی طرح کام کے انتہا میں بھی اہل خبرہ کی کمیٹی صرف یہ تشخیص دیتی ہے کہ اب اس کے اندر رہبریت کے شرائط موجود نہیں ہیں، اس کا معزول ہونا خود بخود محقق ہوجاتا ہے، اور یہ صرف نظریہ ولایت فقیہ کا ہی امتیاز ہے کہ محض اس کے کہ ان شرائط میں تھوڑا سا ہی خلل واقع ہوجائے رہبر خود بخود معزول ہوجاتا ہے اور اس کی حکومت کا شرعی جواز ختم ہوجاتا ہے ۔

حالانکہ آج کے زمانے میں بڑے بڑے ملکوں میں جیسے ایالات متحدہ امریکہ میں آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے ملک کا صدر جمہوریہ جرم کا مرتکب ہوتا ہے یہاں تک کہ عدالت اور مجلس سنا میں اس کا جرم ثابت ہوجاتا ہے لیکن آخر کار صرف یہی کہتے ہیں کہ وہ اس جرم کا جرمانہ ادا کرے لیکن وہ اسی طرح صدر جمہوریہ کے عہدے پر باقی رہ سکتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کے دئے ہوئے حکم اور اس کے گزشتہ فیصلے اس زمانے سے کہ جب وہ جرم کا مرتکب ہوا ہے اب تک معتبر اور قانونی نہیں ہیں بلکہ ان پر کوئی اشکال بھی وارد نہیں ہے، بلکہ عدالت کے اس فیصلہ کے بعد بھی وہ صدر جمہوریہ کہ جس کی رسوائی و گناہ ثابت ہو چکا ہے اور ہر جگہ لوگوں کے درمیان اس کا چرچا ہے پھر بھی اس کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ اپنے تمام حقوقی و قانونی اختیارات سے استفادہ کرے اور حکومت کرے، سچ بتائیے ان دو نظریوں میں سے کون سا نظریہ منطقی اور استدلالی ہے؟ ہم کو اس دن پر امید اور بھروسہ ہے جس روز امام زمانہ کی حکومت وولایت کا پرچم پوری دنیا کو اپنے زیر سایہ قرار دیدے گا اور کریمہ اہل بیت ۲۲۲ کی حکومت کا نفاذ پوری دنیا پر ہو گا ۔ انشاء اللہ ۔

والسلام